جلد 14 شمارہ 2 جنوری 2012ء صفر 1433ھ

ماہنامہ

منشور دعوت

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

(ال عمران-175)

ترجمہ

یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ اگر تم مومن ہو تو اِن سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔

ماہنامہ
گوجرانوالہ
آدمیت
فلاحِ
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاری رح
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا خان
نائب مدیر : سید رحمت اللہ توحیدی
تقسیم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570
ڈیزائننگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)
وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر: 0321-6400942
فیکس نمبر: +92-55-3736841
ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— 30/- روپے
سالانہ فنڈ ———— 300/- روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

مجالسِ فقیر

(سید رحمت اللہ توحیدی)

(شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی کی محافل سے مختلف موضوعات پر ہونے والی غیر رسمی بات چیت قارئین کے استفادہ کیلئے پیش ہے۔ (ادارہ)

باباجیؒ (بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے کہا کہ "قرآن پاک میں جن باتوں کے کرنے کا حکم ہے ان کو کرنا اور جن سے روکا ہے ان سے رکنا ہی عین اسلام ہے۔" اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہے۔ جن باتوں کے کرنے کا حکم ہے ان کو کرنا ہے اور جن سے رکنے کا حکم ہے ان سے رکنا ہے۔ اب یہ بات کہ کسی بات کی تفصیل نہیں ہے تو اس کیلئے اسوۂ حسنہ تو ہر بات میں ہے۔ نماز کا ساڑھے سات سو مرتبہ حکم ہے، وہ ایک ایسی بات ہے کہ جو روز کرنی ہے لیکن اس کی تفصیل تو قرآن میں نہیں ہے۔ کیا پڑھنا ہے؟ کیسے ترتیب ہے؟ رکوع، سجود، اور قیام ہے۔ کیسے بیٹھنا ہے؟ کیا کرنا ہے؟ کسی ایک بات کی بھی وضاحت نہیں لکھی ہوئی۔ وضو کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی تفصیل ہے۔ ہاتھ دھو، پاؤں دھو، وغیرہ کرو لیکن نماز کی کوئی بات نہیں لکھی ہوئی۔ ساڑھے سات سو مرتبہ حکم ہے اور کیسے پڑھنی ہے یہ کوئی نہیں لکھا ہوا۔ احادیث کی ضرورت یہاں ہے۔ حدیث کے بغیر آپ چل بھی نہیں سکتے۔ اسوۂ رسول ﷺ قرآن پر عمل رسول ﷺ کی سنت کے مطابق ہی ہے، وہ کرنا ہے۔ اس کی تو ضرورت پڑے گی لیکن کوئی بات ہے ہی نہیں قرآن میں اور آپ کہیں کہ یہ عین اسلام ہے، اس کے بغیر تو بخشش بھی نہیں ہو گی۔ داڑھی بہت بڑا مسئلہ ہے۔ عرب میں نہیں ہے اور ہمارے ہاں بہت ہے۔ داڑھی نہیں ہے تو آپ مسلمان ہی نہیں ہیں۔ آپ کی شکل ہی نہیں ہے مسلمانوں والی۔ یہ بات ہے تو قرآن میں ساڑھے سات سو دفعہ نماز کا ذکر ہے، ایک آدھ مرتبہ اللہ میاں نے داڑھی کا ذکر بھی کر دیا ہوتا۔

روزے کی ایک دو آیات ہیں مگر سارے مسلمان روزے رکھتے ہیں۔ نماز کم پڑھتے ہیں مگر روزے تقریباً سب ہی رکھتے ہیں۔

ایک ہی آیت ہے کتب علیکم الصیام ۔ جوسعادت کی تفصیل ہے۔دوتین آیتیں ہیں ان پر کتنا عمل ہوتا ہے۔داڑھی میں ہی اگر دین میں بخشش کا دارومدار ہوتا تو ضرور اللہ میاں ایک دو آیات رکھ دیتا۔یہ کون سی مشکل بات ہے داڑھی بھی رکھ لیتے سارے۔مغفرت کیلئے جب اللہ کہے گا تو اس کیلئے سر تسلیم ہر ایک کا خم ہے۔ضرور کریں گے۔آج کل ویسے بھی فیشن ہے۔اس سے پہلے بھی فیشن ہوتا تھا۔دو تین صدیاں پہلے سب کی تھی۔وہ تو کوئی بات نہیں لیکن اصولاً بات یہ ہے کہ اُس پر بخشش کا دارومدار ہوتا تو ضرور اس کا ذکر آتا۔اب وہ کہہ رہے ہیں کہ نہیں ہے۔ہمارے مولوی صاحب نے بھی کہہ دیا ہے کہ ہمارے اکابرین نے کہا ہے کہ یہ دینی سنت نہیں ہے، یہ رواجی سنت ہے۔سعودیہ اور مصر کے اکابرین اور معلمین نے فتویٰ دیا ہے کہ داڑھی جو ہے وہ دینی سنت نہیں ہے، رواجی سنت ہے۔پیغمبری کا حکم چالیس سال میں ہوا، چالیس سال میں سب کی داڑھیاں تھیں۔ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، ابوجہل وغیرہ سب کی تھیں۔حضرت علیؓ بچے تھے جو اس وقت تک شاید جوان ہو چکے تھے۔انہوں نے سب نے رکھیں۔صرف یہ ترمیم کی آپ ﷺ نے کہ یہودی جو ہیں وہ داڑھیاں چھوٹی رکھتے ہیں تم ذرا بڑھاؤ۔وہ موچھیں بڑی رکھتے ہیں تم چھوٹی رکھو۔ Distinction ہو جائے ذرا۔

لباس تو نہیں Change کرتے پیغمبر کہ آپ علیحدہ لباس بنائیں۔گلا اگر اِدھر ہے تو اُدھر بنائیں یا اس وقت ذرا سائیڈ پر یہ ہوتا تھا۔یہ نہیں کیا کہ Fashion Change کیا ہو۔وہ تو Geographical حالات کے مطابق کھانا، پینا، رہن سہن، لباس ہوتا ہے۔اس میں جو ستر کی حدود ہیں وہ البتہ دین میں کہا گیا ہے کہ اس کو ضرور ڈھانپا ہے۔آپ تہبند سے ڈھانپیں یا پاجامے سے ڈھانپیں۔وہ مرد کا اگر گھٹنے سے نیچے ہے تو گھٹنے اس سے Cover ہونے چاہئیں۔یہ نہیں ہے کہ لباس کونسا ہو۔لباس آپ کے Geographical حالات کے مطابق ہوگا۔گرم ملکوں میں لوگ جو ہیں وہ تہبند اور چوغہ پہنتے ہیں تا کہ ہوا لگتی رہے۔جو ٹھنڈے ملک ہیں وہاں لوگ Tight پاجامے، پینٹیں اور کوٹ پہنتے ہیں تا کہ گرم رہیں۔اس باتوں پر زور نہیں دیا گیا، یہ حالات کے مطابق ہو گئیں۔

پہلی دفعہ میری ملاقات عبدالعلیم انصاریؒ سے لاہور میں ہوئی۔ باباجیؒ لاہور گلبرگ رہتے تھے اور وہ ان کے پاس آئے ہوئے تھے۔ علی صاحب حج پہ گئے تھے تو وہ اجتماع Attend نہیں کر سکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ چلو واپس آئیں گے حج سے تو قوالی کا انعقاد کریں گے۔ میں بھی نہیں آسکا تھا۔ میں کوہاٹ میں Management کا ایک کورس کرنے گیا ہوا تھا۔ یہ کوئی ڈیڑھ دو مہینے کا کورس تھا۔ باباجیؒ نے لکھا کہ تم آجاؤ، علی صاحب آرہے ہیں حج سے، قوالی کا انتظام ہے اور تم بھی اجتماع Attend نہیں کر سکے تھے۔ تم آجاؤ۔ میں بھی چلا گیا تو یہ (عبدالعلیم انصاریؒ) آئے ہوئے تھے۔ وہاں سامنے ہی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے ساتھ ہی۔ اس وقت داڑھی نہیں تھی عبدالعلیم انصاریؒ صاحب کی، بغیر داڑھی کے تھے۔ تعارف ہوا۔ باباجیؒ نے تعارف کرایا کہ یہ ڈار صاحب ہیں ہمارے اور یہ میرے بھائی ہیں عبدالعلیم صاحب۔ پہلی دفعہ وہاں ملاقات ہوئی۔ دوسری دفعہ جب میں Deputation پر گیا ۷۸ (انیس سو اٹھتر) میں میانوالی سے۔ Lastly میری پوسٹنگ وہاں تھی As a Ground Safety Officer. ہم کراچی گئے، وہاں پھر ہفتہ ٹھہرے تو تجمل صاحب تھے ہمارے ایک بھائی۔ انہوں نے کہا کہ چلو آپ کو عبدالعلیم صاحب سے ملاتے ہیں۔ ان کے پاس گاڑی تھی ہم بیٹھ گئے۔ چلے گئے ناظم آباد میں۔ اس وقت انہوں نے داڑھی رکھ لی تھی۔ اب تو وہ باباجیؒ کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ پیچھے سے بال، سر گنجا، اور کندھے تھوڑے جھکے ہوئے۔ پاجامہ اور کرتہ اسی طرح کا اور لباس بھی بالکل باباجیؒ جیسا۔ سامنے سے شکل ویسی تھی، ویسی آنکھیں اور ناک۔ بڑے اچھے لگے۔ دل میں کہا میں نے کہ چلو اب کے اجتماع ہوا تو ان کو بلالیا کریں گے۔ سامنے سٹیج پر بٹھا دیا کریں گے اور باباجیؒ کو دیکھنے کا ذوق پورا کرلیں گے۔ بحرحال وہ فوت ہی ہو گئے، جب ہم واپس آئے سعودیہ سے۔ اللہ میاں نے انہیں بلالیا، وہ چلے گئے۔ انہوں نے کہا کہ "میں نے داڑھی رکھ لی تو بھائی جان نے کہا کہ "ارے تم نے داڑھی رکھ لی ہے۔ ابھی تو میں زندہ ہوں۔" اب ہمیں اس Protocol کا پتا نہیں تھا کہ بعض خاندانوں میں ایک ہی بندہ داڑھی رکھتا ہے جو بزرگ ہو، دوسرے نہیں رکھتے تھے۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ تم نے ابھی سے داڑھی

رکھ لی ہے میں تو زندہ ہوں ابھی، میرے بعد تم رکھتے۔ ہمیں تو پہلی دفعہ یہ بات معلوم ہوئی۔ عبدالعلیم انصاریؒ نے کہا کہ میں نے کہا کہ بھائی جان آپ نے بھی ابا حضور کی زندگی میں داڑھی رکھ لی تھی، میرے پاس تصویریں بھی ہیں۔ میں نے ان کو لاجواب کر دیا۔ یہ ہم نے پہلی دفعہ فارمولا سنا کہ یہ بزرگی کی نشانی ہے، ایک ہی رکھتا ہے۔ انہوں نے تصویریں دکھائیں، ان میں عبدالہادیؒ کی بھی تصویر تھی، وہی نوجوانی کی تھی۔ رنگ گورا سا، مونچھیں چھوٹی چھوٹی تھیں، بس جسم بھی درمیانہ سا تھا مگر Normal۔

ہمیں بھی ذرا عجیب عجیب سی باتیں لگتی تھیں باباجیؒ کی کہ داڑھی کوئی بات نہیں نہ رکھو، نماز جو ہے ڈیوٹی پر صرف فرض پڑھ لو، کوئی بات نہیں بڑی عجیب باتیں لگتی تھیں۔ اسی طرح روزہ بھی کہتے تھے کہ روزہ، بالکل Fit ہے بندہ، کوئی Medical Problem نہیں ہے، اس کا جو بھی کفارہ ہے دے دو، کوئی بات نہیں۔ یہ نہیں کہ Unfit ہے نہیں۔ اگر Fit ہے اور نہیں رکھنا چاہتا تو پیسے دے۔ قرآن میں بھی ایسے ہی لکھا ہے کیونکہ باقی روزے جو ہیں ان کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ Alternate جو ہے کہ یا غلام آزاد کرو یا روزے رکھو یا ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، بلکہ بیوی کو اگر ماں، بہن کہہ دیا ہے تو ساٹھ (۶۰) روزے متواتر رکھنے پڑتے ہیں۔ یہ فرض روزے سے بھی سخت ہے کہ متواتر رکھنے ہیں، اگر بیچ میں توڑ دیا تو پھر شروع سے۔ اس کا Alternate جو موجود ہے کہ ساٹھ (۶۰) روزے رکھو یا ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ جب وہاں سب روزوں کا قبول ہے۔ اسی طرح قسم کھالی، توڑ دی، اس کا بھی ہے شاید دس (۱۰) مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ احرام باندھ لیا تو سر نہیں مونڈا سکتے۔ اگر مونڈا نا پڑے، سر میں خرابی ہے، تو اس کا بھی لکھا ہے کہ شاید تین روزے رکھو یا اتنا کھانا کھلاؤ۔ جہاں پر سزاءً روزے رکھے گئے ہیں وہاں ان کا Alternate کھانے کو مقرر کیا گیا ہے۔ یہاں کیوں نہیں ہے؟ قرآن کے الفاظ بھی ایسے ہیں۔ (ترجمہ)

''جو طاقت رکھتا ہو وہ اس کا فدیہ دے لیکن اگر خود روزے رکھو تو بہتر ہے۔''

اب یہ بات 'خود روزے رکھو تو بہتر ہے' ثابت کرتی ہے کہ روزہ رکھنے کے قائل ہے ورنہ یہ

اللہ کیوں کہتا کہ اگر خود روزے رکھو تو بہتر ہے کہ وہ رکھ نہیں سکتا اس کیلئے فدیے کا اعلان ہو رہا ہے ورنہ خود روزے رکھنے والی بات اللہ میاں بالکل نہ کرتا یہ جو ہے کہ اگر خود روزے رکھو تو یہ بہتر ہے۔ لیکن اب وہ بھی بڑا اوکھا ہے۔ اب وہ اپنے روزانہ خرچ کے مطابق کہتے ہیں کہ پیسے دے۔ اب ایک آدمی روزانہ سحری میں اگر اچھا خاصا کھانا کھاتا ہے تو اپنے معیار کے مطابق ہی دیتا ہوتا ہے۔ وہ چالیس پچاس روپے خرچ ہو ہی جاتا ہوگا اچھے کھانے میں۔ روزوں میں رزق کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر چار فرد ہیں تو دو سو روپے (۲۰۰) روزانہ دو، تیس (۳۰) کا چھ ہزار (۶۰۰۰) دو تو وہ بھی اوکھا ہی لگے گا۔ اب نہ کرنے سے، جو روزہ بھی نہیں رکھتے اور فدیہ بھی نہیں دیتے کہ کون پچھدا اے سانوں۔ مولوی سے تھوڑا پوچھ کے کہے گا کہ نہیں رکھدے۔ فدیہ چونکہ آپ کو دینا ہی نہیں ہے کہ وہ نا جائز ہے تو وہ فدیہ بھی نہیں دیتے۔ اگر آپ کہہ دیں کہ فدیہ ہے تو فدیہ تو وہ دے دیں گے۔ وہ لوگ جن میں کچھ نہ کچھ خدا کا خوف ہے وہ کہہ دیں گے کہ چلو جی مولوی صاحب نے کہا ہے فدیہ دے دیتے ہیں۔ چلو غریبوں کے ہی کام آئے۔ اس لحاظ سے بڑا اچھا ہے۔

لکھا ہے کہ 'جو طاقت رکھتے ہیں'، مولوی کہتا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ 'جو طاقت نہیں رکھتے'۔ لکھا ہے کہ جو طاقت رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ نہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جو طاقت نہیں رکھتے۔ لیکن اگلی آیت کا ٹکڑا جو ہے وہ ثابت کرتا ہے کہ نہیں، 'اگر وہ خود روزہ رکھیں تو بہتر ہے'۔ خود روزہ رکھنے کا مطلب ہے کہ ان کے پاس طاقت ہے، تب ہی تو اللہ کہتا ہے کہ خود روزہ رکھیں تو بہتر ہے۔ عملی طور پر آپ میں اس چیز کی خواہش پیدا ہوگی، پیاس کی سخت شدت ہے، گرمی بھی ہے، اور آپ اللہ کے حکم پر چلتے ہوئے کچھ نہیں کھاتے پیتے۔ خواہشات کو توڑنے اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا صحیح ولولہ پیدا ہوگا نہیں کرنا جو مرضی ہے، اکیلے میں تنہائی ہے جو مرضی ہے۔ اس لحاظ سے وہ بڑا اچھا ہے کہ اگر روزہ خود رکھیں تو وہ زیادہ بہتر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے اندر طاقت ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے جو لکھا ہے کہ اگر طاقت ہے تو فدیہ دے دے۔

الحمدللہ اللہ کی توفیق سے ہم تو رکھتے ہی آئے ہیں۔

برق نے بھی یہ لکھا ہے کہ یہ بالکل ٹھیک ہے۔آپ یوں کریں کہ غریبوں کو فنڈ دیں۔اب لوگ نہ فنڈ دیتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں۔ان مولوی تو جرمانہ تو جا کے نہیں کرتا کہ آپ نے کیوں روزہ نہیں رکھا۔نہ کوئی ایسی تنظیم ہے، نہ حکم ہے کہ آپ پکڑیں ان کو جو روزہ نہیں رکھتے۔نہ کسی کو پتا ہوگا کہ آپ روزہ نہیں رکھ رہے۔یہی تو بات ہے کہ فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔کون کہہ سکتا ہے کہ آپ کا روزہ ہے۔مسافر ہے،اللہ نے کہا کہ ویسے ہی نہ رکھو۔رستے میں لوگ کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں تو کھانے دیا ان کو۔یہ اب کہتے ہیں کہ نہ وہ روزہ رکھتے ہیں، نہ وہ پیسے دیتے ہیں۔آپ کہتے ہیں کہ پیسے نہیں دے سکتے، روزے وہ ویسے نہیں رکھتے۔نمازیں نہیں پڑھتے تو روزہ کیا ہے۔اگر یہ ہو تو کم از کم فدیہ تو دیتے، چلو فکر تو ہے ماں کہ آسان بنا دیا جائے، لوگ دے ہی دیتے ہیں۔روزے کے بعد بھی فطرانہ سارے ہی دیتے ہیں۔اچھا خاصا یہ سامان بن جاتا ہے۔اس نے بھی یہ لکھا ہے۔باباجیؒ نے بھی کہا ہے کہ یہ ٹھیک ہے، آپ دے سکتے ہیں۔باباجیؒ کی قلب و نظر والی باتیں ہمیں تنگ نظری کی وجہ سے سمجھ نہیں آتی تھیں۔

ہم نے تو یہ سنتیں، نوافل، اور سارا کچھ سمجھ رکھا ہے کہ یہ نماز کا حصہ ہی ہے۔ضرور پڑھنی ہے اور چھوڑنی نہیں ہے۔چھوڑ نہیں سکتے۔مولوی بھی ان پر زور دیتا ہے۔یہ Modrenبات ہے کہ یہ سارے نوافل ہیں۔بنیادی طور پر دو ہی نمازیں ہیں، ایک فرض جو رسول اللہ ﷺ نے بتا دی ہیں۔وہ لازمی پڑھنی ہیں، نہ پڑھیں گے تو پوچھ ہوگی۔دوسری نوافل ہیں، وہ اپنی طرف سے آپ پڑھتے ہیں۔اس میں جو رسول اللہ ﷺ اہتمام سے پڑھتے تھے ہمارے لئے وہ سنت بن گئے ہیں۔ان کیلئے سنت نہیں تھیں، نوافل پڑھتے تھے زائد، وہ ٹھیک ہے۔پڑھیں گے تو یہ اللہ کی مہربانی ہے۔فرمایا کہ قبول کروں گا، ان کا اجر بھی دوں گا۔اگر آپ پڑھیں گے تو یوں نہیں کہے کہ آپ نے نماز میں اضافہ کیوں کیا؟ Change کیوں کی؟ اللہ ان کو قبول کرے گا اور ان کا اجر بھی دے گا۔اگر نہیں پڑھے گا تو پوچھ نہیں ہوگی، اس کی پرسش نہیں ہوگی۔فرائض جو ہیں ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔نوافل کا مطلب ہے زائد۔نماز وہی ہے جو جماعت کے ساتھ پڑھی

جاتی ہے۔باقی نہیں۔رمضان میں بیس (۲۰) تراویح جماعت کے ساتھ ہو جاتی تھیں۔ظہر کی بھی بارہ (۱۲) رکعتیں جماعت کے ساتھ ہو سکتی ہیں، کیوں نہیں ہو سکتیں؟ حالانکہ وہ بھی سنت ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں، یہ بھی پڑھی جا سکتی ہیں، لیکن نہیں۔فرض ہی جماعت کے ساتھ ہوں گے، پھر دعا ہو گی۔وہاں مرضی ہے تو بیٹھ کر پڑھیں، دو پڑھیں، چار پڑھیں۔آپ بھی باقی نماز، جماعت کے ساتھ فرض پڑھ کے نوافل اپنی مرضی سے پڑھیں اور چلے جائیں۔فرائض اجتماعی ہیں، جماعت کے ساتھ، باقی آپ خود پڑھیں۔وہ عرب والے بھاگ جاتے ہیں پڑھ کے فرض، وہ نہیں پڑھتے، بہت کم لوگ پڑھتے ہیں۔مصری اور پاکستانی۔یہ لوگ نوافل اور سنتیں پوری پڑھتے ہیں نماز کے بعد، بہت اچھی بات ہے۔مومن کو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے کہ نہ پڑھیں۔شوق ہونا چاہیے کہ پڑھیں۔باباجیؒ نے بھی لکھا ہے اور کہتے تھے کہ روحانی ترقی کیلئے نوافل کا پڑھنا ناگزیر ہے جو ہر نماز کے ساتھ پڑھے جا سکتی ہیں۔تہجد کے نوافل زیادہ مفید ہیں، ویسے ہر نماز کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہیں۔وقت ہے تو پڑھو، ظہر سے عصر تک بیٹھے رہو مسجد میں، اگر کوئی کام نہیں تو پڑھتے رہیں نماز۔جب عصر کا ٹائم ہو جائے تو عصر پڑھیں۔شروع کر دیں۔نوافل کا کوئی ٹائم نہیں ہے۔جب جی چاہے پڑھتے رہیں۔مکروہ ٹائم طلوع کا ہے اور جب سورج غروب ہونے لگے اس وقت میں نہیں پڑھ سکتے۔باقی بیچ میں جو ٹائم ہے اس میں پڑھ سکتے ہیں۔جو نوافل ہیں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے گا، اس کا ثواب بھی دے گا، پڑھنا چاہیے۔اس کی تحریک دینی چاہیے مگر اس کا Status بتانا چاہیے۔نماز جب قضا ہوتی ہے تو پھر کیوں نوافل نہیں پڑھتے؟ ظہر قضا ہو گئی تو جرمانہ ہونا چاہیے تھا۔بارہ کی سطح ہونی چاہئیں تھیں۔بارہ وہ پڑھو، چار جرمانہ کہ کیوں چھوڑی۔مگر وہ کہتے ہیں کہ نہیں جی اب صرف فرض پڑھنا ہیں۔یہ کیا مطلب ہے؟ زائد نماز، تو فرض کے ساتھ وقت پہلے بھی تھا، بعد میں بھی تھا۔اب کہتے ہیں کہ ٹائم ہے تو پڑھ لیں۔ اب جو فرائض ہی ادا نہیں کر سکا اس کیلئے نوافل کی سختی لانا تو ناروا ہے۔بس وہ فرض ہی پڑھے۔ جتنی بھی قضا ہو رہی ہیں سب کے فرض پڑھے۔سفر میں ہے تو جہاں سفر ہے دوگانہ پڑھے۔دو رکعت پڑھے۔یہ بڑی Easily بات سمجھ میں آتی ہے۔وہ فرائض ہی ہیں جو جماعت کے

ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔جب کہا جاتا ہے کہ قَدقَامَتِ الصلوٰۃ۔صلوٰۃ قائم ہوگئی، وہی ہے جو ساتھ پڑھنی ہے۔اس سے فراغت کے بعد ٹائم ہےتو نوافل جتنا مرضی پڑھو، وہ اللہ قبول کرے گا، نہیں ہےتو کوئی بات نہیں۔جس نے چار پڑھی ہیں نماز میں تو کوئی فرق نہیں ہے۔یہ وہی ہے، سجدے، رکوع، تلاوت، نماز کی Performance میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ اس کی Authenticity میں ہے کہ یہ فرض ہے یا زائد ہے۔باقی نماز میں تو وہی پڑھنا ہے۔جو دو رکعت فرض نماز میں پڑھنا ہے، وہ دو رکعت سنت یا نفل میں پڑھنا ہے۔نماز اللہ تعالیٰ کی خوشی کیلئے پڑھنی ہے۔وقت ہےتو پڑھیں زیادہ ثواب ملے گا۔پڑھنی چاہیے۔راتوں کو بھی لوگ جن کو توفیق اللہ نے دی ہے، وہ نوافل کے پابند ہوجاتے ہیں تو تہجد کے وقت بڑے ٹائم سے اٹھتے ہیں۔جن کی نیند ہی پوری نہیں ہوتی وہ بمشکل ہی فجر اٹھ کے پڑھ لیتے ہیں۔سختی نہیں ہے۔پیار کی ساری گیم ہے۔اللہ شوق دے تو پھر ٹھیک ہے، نوافل بھی پڑھیں، ذکر بھی کریں، بڑا اچھا وقت ہوتا ہے صبح کا۔

اتنی پابندیاں، گنتیاں شمتیاں، پیانے شیمانے وہ لوگ نہیں کرتے ہیں۔بس یہ حدیث ہے وہ چھوٹی بڑی کرنے کی مگر وہ Identitiy کیلئے ہے۔اس میں بخشش کی کوئی بات نہیں ہے۔

گوجرانوالہ میں آئے تو مولوی آئے ہوئے تھے دو چار۔باباجیؒ نے کہا کہ چلو چلو نماز پڑھو۔عصر کا ٹائم ہوگیا ہے۔وہ چلے گئے۔مولوی صاحب نے کہا کہ آپ نہیں گئے نماز کیلئے۔فرمایا کہ میں بوڑھا ہوں، تھک بھی جاتا ہوں، مسافر ہوں ویسے بھی مجھ پر فرض نہیں ہے جماعت جو ہے۔میں نے ویسے بھی قصر پڑھنی تھی، تو کہنے لگے جی پھر بھی اچھا تھا، اگر آپ پڑھتے تو آپ کو زیادہ ثواب ملتا۔کہنے لگے کہ مولوی صاحب میرا خیال ہے کہ اللہ میاں ناراض ہوتا۔بلکہ ثواب کیسے زیادہ ملتا جب اس نے کہا ہے کہ کم کرو اور میں کہوں کہ نہیں میں تو پوری پڑھوں گا۔بادشاہ کہے کہ تم یہ کام نہ کرو۔بادشاہ کے پاس سے کوئی تحفہ میں آئے خواہ کدو ہی ہوں کہ سب کو ایک ایک دے دیتا اور آپ کہیں کہ نہیں جی میں نہیں لوں گا، کدو ہمارے پاس بہت ہیں۔بادشاہ ناراض ہوگا کہ خوش ہوگا؟ کہا کہ جی ناراض ہوگا۔

ایسے ہی اللہ میاں نے جو سہولت دی ہے اسے خوشی سے قبول کرو۔ یہ کیا بات ہے کہ ہم نہیں لیتے، ہم پوری پڑھیں گے۔ میرا خیال تھا کہ اللہ میاں ناراض ہوگا۔ کہا کہ کیسے جی؟ کہا کہ ایسے۔ بادشاہ کہے یہ بات تو اسے خوشی سے قبول کرو۔ اللہ کتنا اچھا ہے۔ کتنا اچھا ہمارا خیال رکھا ہے کہ نماز نہ پڑھو، ہم حالانکہ گاڑی میں بیٹھ کر آئے ہیں مگر کتنا خیال رکھا ہے۔ دو پڑھو۔ نماز میں دو ہی پڑھو، زیادہ نہیں پڑھ سکتے۔ باباجیؒ نے کہا کہ اس مولوی کو میں نے چائے پلائی، مٹھائی کھلائی، اور ساتھ ہی اس کی ٹھکائی بھی کی یہ باتیں کر کے۔

اچھا ہے مولوی کہتے ہیں کہ زیادہ پڑھو۔ ان کا Status بتا دینا چاہیے کہ یہ نوافل ہیں اور یہ وقت کے ساتھ ہے۔ تو جن کو شوق ہے وہ پڑھو۔ عشاء پڑھو، جب تک نہیں سوتے پڑھتے رہو، سوتے وقت تین وتر پڑھو، سو جاؤ۔ جتنا ٹائم ہے پڑھیں۔ صبح نہیں اٹھ سکتے تو اسی لئے وتر تو آخری رات کی نماز ہے۔ وتر رات کی نماز ہے جو صبح اٹھتے ہیں وہ وتر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، صبح اٹھ کر اس وقت پڑھتے ہیں۔ اور نہیں ہے تو فرمایا اسی وقت پڑھ لو، تمہاری نماز قبول کر لی جائے گی۔ اس وقت ہی پڑھ لو۔ نماز ہے، نماز کے بعد تراویح ہیں، پھر وتر ہیں۔ وتر آخر میں ہی ہوں گے۔ وتر بعد میں پڑھ لو، تمہاری وہ نماز ہی قبول ہوگی۔ اس کا Status بتانا چاہیے کہ نوافل جو ہیں وہ پڑھو، اس کا ثواب تمہیں اللہ دے گا، درجات ملیں گے۔ اسی حساب سے جتنا جتنا کر سکتے ہیں وہ کرو۔ لیکن یہ نہیں ہے کہ وہ بیچارہ مجبور ہے کہ نماز نہیں پڑھ سکتا، کھڑا ہو کے نہ بیٹھ کے۔ نوافل ضرور پڑھے نہیں پڑھ سکتا نہ پڑھے، اللہ اس کے فرائض قبول کرے گا۔ اب یہی ہے کہ جب قضا ہوتی ہے تو پھر کیوں چھوڑتے ہیں۔ یہ بڑا اچھا Cross Question ہے۔ اگر وہ ضروری ہیں تو پھر یہ بھی ضرور تھا ساتھ کہ جرمانہ ہوتا، چار رکعتیں اور پڑھو، تم نے کیوں چھوڑ دی۔ کہا کہ صرف فرض ہی پڑھنے ہیں۔ باباجیؒ اس طرح بتاتے تھے۔ ڈیوٹی پر ہوتے تھے، شفٹوں میں کام ہوتا تھا، عموماً عصر اور مغرب بھی کبھی کبھی ہو جاتی تھی۔ کہتے کہ پڑھو بس، صرف فرض پڑھ لو۔

ادھر Supervisor کھڑا ہوتا تھا کہ مولوی سارے اکٹھے ہو گئے ہیں، وضو کریں گے، نماز با جماعت پڑھیں گے، تسبیحاں پڑھیں گے، اور ادھر کام ہے۔ وہ اپنے حساب کتاب کرتا ہے کہ ٹائم تھوڑا دیا جائے۔ باباجیؒ نے فرمایا کہ مختصر پڑھو۔ نماز جو ہے جماعت کے ساتھ حکم ہے کہ امام چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھے اور تسبیحات بھی مختصر رکھے، تین تین۔ عورتیں بھی آتی تھیں، اب بھی آتی ہیں۔ مسجد نبوی میں ایک طرف باب النساء ہے، وہاں ایک طرف عورتیں، بچے ہوتے ہیں۔ بچوں کے رونے کی آواز آتی تو اور مختصر نماز پڑھتے۔ کہا بھی ہے کہ مختصر رکھا کرو نماز تمہارے پیچھے مریض بھی ہیں، بیمار بھی ہیں، عورتیں بھی ہیں، بچے بھی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی پڑھو۔ لیکن اپنا جو پڑھتے تو پھر اتنا قیام ہوتا کہ پاؤں مبارک پر ورم آتی۔ اتنے اتنے لمبے رکوع ہوتے، اتنے اتنے لمبے سجود ہوتے۔ یہ تو آپ کا اپنا ہے کہ جو مرضی پڑھو۔ ورم آ جاتی، بندہ استغراق میں کھڑا ہو تب ہی یہ ہو سکتا ہے۔ Public Ceremony جو ہے اس میں سب کا خیال رکھا جاتا ہے۔ بچے بھی ہیں، بوڑھے بھی ہیں، سب کا خیال رکھا جائے گا۔ پڑھو، جب اکیلے پڑھو اور تسبیحات پڑھو تو زیادہ سے زیادہ پڑھو یہ مستحب ہے۔ اس پر کیوں بیٹھیں کہ کم از کم تین تین۔ کیوں کم از کم؟ پانچ، سات پڑھو لیکن نماز میں تین سے زیادہ نہ پڑھو، ہو سکتا ہے کہ امام تین پڑھے اور آپ پانچ پڑھ جائیں۔ یہ امام سے تجاوز ہوگا۔ تسبیحات میں بھی ایسی ہی پڑھو۔ تلاوت وہ جب اونچی کر رہا ہو تو آپ نہ کریں۔ وہ خاموش کھڑا ہو تو آپ کریں۔ Balanced علماء کا یہی مسلک ہے کہ جب وہ خاموشی سے پڑھے تو آپ بھی خاموشی سے پڑھ لیں۔ تسبیحات جو ہیں وہ تین ہی رکھیں، امام سے بڑھ نہ جائیں کہ وہ تین پڑھے اور آپ پانچ پڑھ لیں۔ یہاں تک اس کا احترام رکھا گیا ہے۔ آپ بھی تین ہی پڑھیں۔ اللہ میاں نصیب کرے۔

(درسِ حدیث)

خطاکاری

(مولٰنا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

ترمذی میں سیدنا انسؓ سے حضورﷺ کا ایک فرمان یوں مروی ہے۔

کل بنی اٰدم خطاء و خیر الخطائین التوابون۔

بنی آدم بڑے ہی خطا کار ہوتے ہیں لیکن بہترین خطا کار وہ لوگ ہیں جو بڑے توبہ کرنے والے بھی ہوں۔

عبارت اور اِس کا ترجمہ دونوں بہت صاف اور واضح ہیں۔ مضمون بہت سادہ اور مختصر ہے۔ لیکن اِس کوزے میں داستانِ فطرتِ انسانی کا ایک بڑا اتھاہ سمندر بند ہے۔ بنی آدم کی پوری تاریخ اور فطرتِ انسانی کی ساری داستان میں جو حقیقت سب سے زیادہ اُبھری ہوئی نظر آتی ہے وہ اِس کی لغزشیں، خطائیں ٹھوکریں، غلطیاں ہی ہیں۔ انسان صرف ظلوم وجہول، کفور وعجول ہی نہیں وہ خطاء (بڑا ہی خطا کار) بھی ہے۔ اتنا خطا کار کہ کہنے والوں کو آخر یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ **الانسان مرکب الخطاء والنسیان** ۔اِنسان کی تو ترکیب ہی خطاو نسیان سے ہوئی ہے۔ فی الواقع یہ ناممکن ہے کہ کوئی ذی روح جامہ بشریت پہن کر دنیا میں آئے اور وہ غلطی اور بھول سے پاک ہے۔

اِس پوری کائنات پر ایک نگاہِ تجسس ڈالیے۔ کوئی ذی روح یا غیر ذی روح مخلوق ایسی نہیں جو خطا کرتی ہو۔ پہاڑ اور دریا غلطی نہیں کرتے۔ کواکب وسیارات خطا کے مرتکب نہیں ہوتے۔ نباتات سے کوئی لغزش نہیں ہوتی۔ کسی رینگنے والے کیڑے، چرنے والے چوپائے، اُڑنے والے پرندے اور پھاڑنے والے درندے سے چوک نہیں ہوتی۔ لیکن سب سے زیادہ ارتقاء یافتہ اور اشرف ترین مخلوق۔ انسان۔ کچھ نہ پوچھیے۔ خطاؤں کا مجسمہ، لغزشوں کا پُتلا اور غلطیوں کا مجموعہ۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ یہی وہ "شر" ہے جو اِس کا طرہ امتیاز ہے اور سبب "خیر کثیر" ہے۔

یہ نہ ہوتو انسان شرفِ انسانیت سے نیچے گر کر نباتات و جمادات کی صف میں شامل ہو جاتا ہے اور یہ تو یہی زینۂ ارتقا بن جاتا ہے۔ یہ عجیب شر ہے جو اپنے جلو میں بے شار خیر لیے ہوئے ہے۔

ہاں "خطا" کے معنی بھی سمجھ لینا چاہیے۔ اِس سے اس حدیث کو سمجھنے میں بھی بڑی مدد ملے گی۔

ہر وہ فعل جو اپنے ارادے کے خلاف ہو خطا ہوتا ہے۔ نیت بخیر ہو مگر نتیجہ غلط نکلے، نیت درست نہ ہو اور نتیجہ خیر ہو۔ دونوں ہی خطا ہیں۔ نشانہ شکار پر ہو اور لگ جائے کسی انسان کو یا اِس کے برعکس نشانہ ہو انسان کی طرف اور جا بیٹھے کسی درندے پر۔ خطا دونوں ہی ہیں۔ پہلے یہ عنداللہ گرفت نہیں مگر عندالناس ہے اور دوسرے پر عنداللہ گرفت ہے اور عندالناس نہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ عندالقضا وقوع پر گرفت ہوتی ہے اور عنداللہ نیت پر۔

اور اگر غلط نیت کے مطابق ہی عمل کا ظہور ہو تو عنداللہ بھی گرفت ہے اور عندالناس بھی۔ یعنی اگر انسان ہی کو نشانہ بنایا جائے اور وہ نشانہ بیٹھے بھی انسان ہی پر، تو عنداللہ بھی گرفت ہے اور عندا القضا بھی۔ قرآنی زبان میں بڑے سے بڑا جرم بھی خطا ہے۔ مثلاً **ان قتلھم کان خطاءً کبیرًا** ۔(ان کا قتل بڑی خطا تھی) اور چھوٹے گناہ بھی خطا میں داخل ہیں۔ مثلاً **نغفر لکم خطایاکم** (ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے) حتیٰ کہ وہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں بھی خطا میں داخل ہیں جو قابلِ گرفت ہی نہیں مثلاً: **لیس علیکم جناح فیما اخطأ تم بہ** ۔ (خطاؤں میں تم پر کوئی گناہ نہیں)

زیرِ بحث حدیث میں سب طرح کی خطائیں داخل ہیں۔ بڑے سے بڑا گناہ بھی اور چھوٹی سے چھوٹی لغزش بھی۔ یہ سب کچھ انسان کی فطرت میں داخل ہیں۔ البتہ انسانی درجات کے مطابق ہی اِن خطاؤں کا وزن متعین ہوتا ہے۔ ایک معمولی سی خطا ایک مقرب کیلئے بڑا گناہ ہوتا ہے اور ایک بڑا گناہ معمولی انسان کیلئے قابلِ درگزر ہوتا ہے۔

جہاں تک ذنوب ومعاصی کا تعلق ہے خطائیں یہ بھی ہیں اور اِس مفہوم میں خطائیں "بالعمد" ہوا کرتی ہیں۔ یہ خطائیں اصغر الصغائر سے لے کر اکبر الکبائر تک مختلف درجات رکھتی ہیں۔ اِن کے متعلق عام اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ سعید روحیں اِن کے بالعمد ارتکاب سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً انبیاء کی جبلت وسرشت ہی ایسے خمیر سے ہوتی ہے کہ اِن سے کوئی معصیت نہیں ہوتی۔ کبائر کا تو ذکر ہی کیا ہے صغائر بھی ان سے بالعمد نہیں ہوتے۔ ہاں بہت معمولی صغائر ہو جاتے ہیں لیکن وہ بھی اِس طور پر کہ اِن کے ارتکاب میں ان کی نیت کو کوئی دخل ہوتا ہے نہ قصد و عمد کو بلکہ بلا ارادہ ونیت کسی غلط فہمی سے کوئی چوک ایسی ہو جاتی ہے، جس میں ہوتے تو ہیں وہ نیت نیت، لیکن نتیجہ کچھ دوسرا نکل آتا ہے۔ بہر حال خطا یہ بھی ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ انبیاء معصوم عن المعصیت تو ہوتے ہیں معصوم عن الخطا نہیں ہوتے۔ یعنی وہ کسی گناہ کا ارتکاب بلکہ ارادہ بھی نہیں کرتے مگر لغزش، چوک اور غلط فہمی ہو جاتی ہے اور ان کی رفعت مقام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایسے مواقع پر بھی اُن سے باز پرس یا تنبیہ فرماتا ہے۔ قرآن پاک میں اِس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ بہر حال زیر بحث حدیث میں **کل بنی آدم خطاء** (تمام بنی آدم خطا کار ہیں) کی کلیت اپنی جگہ صحیح ہے اور مراتب اور انداز مواخذہ کے فرق کے ساتھ انبیاء واولیا بھی اِس کلیت سے باہر نہیں۔

اِس حقیقت کی تائید میں قرآنِ پاک کی وہ آیات پیش نظر رکھنی چاہئیں جن کا تعلق قصہ آدم سے ہے۔ یہ قصہ آدم کوئی ڈرامہ نہیں جو اللہ میاں کے سامنے کھیلا گیا ہو بلکہ یہ فطرت بشری، فطرتِ شیطانی کی داستان ہے زبانِ حال سے۔ ایک حقیقت ہے جسے تمثیلی زبان میں تمثیلچہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ یہاں آدم سے مراد ہی بنی نوعِ بشر ہے، جس کی سرشت میں خطا کاریاں موجود ہیں۔ دوسری طرف نوع ملک ہے، جس کی فطرت ""معصوم"" ہے۔ لیکن یہ تماشا بھی دیکھنے کے لائق ہے کہ "ملائکہ معصومین" کے ہوتے ہوئے بھی تاجِ خلافت "خطا کار آدم" کے سر پر رکھ دیا گیا۔

اتنا ہی نہیں بلکہ اِس خطا کار کے آگے معصوموں کے ہجوم کو سجدہ ریز کر دیا گیا۔ اور یہ حکم سجدہ اتنا زوردار تھا کہ جس نے اِس سے انکار کیا اِسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے راندہ دیا گیا۔

ذرا سوچیے کہ آخر یہ خطا کاری کونسی ایسی صفت ہے جس نے معصوموں کو بھی اپنے آگے جھکا دیا؟ سچ پوچھیے تو محض معصومیت کوئی بڑا کمال نہیں۔ معصوم تو شیرخوار بچہ بھی ہوتا ہے تو کیا آپ کوئی منصب امامت و خطابت اِس کے سپرد کر دیں گے؟ معصوم تو ہر حیوانِ مطلق، ہر شجر و حجر ہوتا ہے تو کیا آپ اِن کو مستحق خلافت ٹھہرائیں گے؟ معصوم تو ملائکہ بھی ہیں لیکن کیا خدا نے اِن کو زمین کا خلیفہ بنایا؟ آخر اِس خطا کاری میں کونسی خیر اور کونسا حسن و جمال تھا جو منصب خلافت کیلئے نوعِ بشر کو منتخب کر لیا گیا؟ بات کچھ زیادہ پیچیدہ نہیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ معصومیت میں ارتقاء نہیں ہوتا۔ معصوم نہ گھٹے نہ بڑھے۔ وہ جوں کا توں رہتا ہے۔ شجر، شجر ہی رہتا ہے اور حجر، حجر ہی رہے گا۔ پرندہ پرندہ ہی رہتا ہے اور درندہ درندہ ہی رہے گا۔ نہ اِس میں کوئی تنزل ہے نہ ترقی۔ یہ سب بے خطا ہیں اور بے خطا ہی رہیں گے۔ لیکن انسان؟ خطا و نسیان کا مجموعہ ہے۔ یہ ٹھوکر کھاتا ہے اور سنبھلتا ہے۔ غلطی کرتا ہے اور تلافی کرتا ہے۔ اِس میں ترقی اور تنزل دونوں کے بھرپور امکانات موجود ہیں۔ یہ چاہے تو اپنی خطا کاریوں سے اپنے آپ کو گرا کر چوپایوں کی صف میں لے آئے بلکہ اِن سے بھی بدتر ہو جائے اور چاہے تو اپنی خطا کاریوں کی غیر معمولی تلافی کر کے نہ فقط اپنے داغ کو دھو دے بلکہ پہلے سے زیادہ چمک اُٹھے۔ انسان صرف قانونِ تکوینی کا پابند نہیں بنایا گیا ہے۔ تقدیر کے پابند نباتات و جمادات۔ بلکہ اختیارات کی لامحدود دنیا اِس کے سپرد کی گئی ہے۔ یہ چاہے تو خطا کر کے ابلیس سے بھی اپنے آپ پر لعنت کرائے اور چاہے تو توبہ و انابت کے بعد فرشتوں سے بھی اپنے آپ کو سجدہ کرا لے۔ **و ھدینہ النجدین** ۔ اور **اما شاکرا و اما کفورًا** ۔ سب کچھ اِس کے حیطہ اقتدار و اختیار میں ہے۔ صلاحیت خطا نہ ہوتی تو یہ رُتبہ و مرتبہ و منصب کہاں سے حاصل ہوتا؟ یہی سبب ہے کہ جہاں حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

کان بنی اٰدم خطاء تمام بنی آدم خطا کار ہیں۔

وہیں یہ بھی بتا دیا کہ:

و خیر الخطائین التوابون۔

بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کر کے تلافی کر لیتے ہیں۔

معصومیت میں یہ کمال کہاں؟ یہ شرف تو خطا کاری ہی کو حاصل ہے کہ یہ انسان کو جتنا نیچے لے جاتی ہے تو بہ اس سے کہیں زیادہ اونچا لے جاتی ہے۔

یہ حدیث ایک بہت بڑے نفسیاتی مرض کا علاج بھی ہے۔ کمزور طبائع کے انسان حساس زیادہ ہوتے ہیں۔ اِن سے کوئی غلطی ہو جائے تو ان کا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ ہمتیں پست ہو جاتی ہیں اور یاس و نا اُمیدی کی گھٹائیں چھانے لگتی ہیں۔ اِس حدیث میں یہی حقیقت بتائی گئی ہے کہ خطا تو انسان کی سرشت میں موجود ہے اِس لئے اس سے شکستہ خاطر ہونے کی بجائے اِس کی تلافی میں لگ جانا چاہیے۔ اگر انسان اپنی ہر خطا پر وقف ماتم ہو کر بیٹھ جائے تو کوئی ارتقائی قدم نہیں اُٹھ سکتا۔ اِنسانی ترقی اِسی میں مضمر ہے کہ ٹھوکر کھا کر سنبھلے مگر چلتا رہے۔ کوشش یہ کرے کہ اب پھر ایسی ٹھوکر نہ لگے اور جو ٹھوکر لگ چکی ہے اِس کی ایسی تلافی ہو کہ داغ ڈھل جائے اور چمک اُٹھے۔ اپنی سیاہی کے گرد حسن و جمال کا اتنا بڑا حلقہ بنائے کہ وہ سیاہ داغ ٹھیک خالِ رُخ کی طرح زیبائش و حسن کو دو بالا کر دے اور اس طرح اپنی ساری عمر کو اسی جد وجہد کے لئے وقف کر دے اور اِس طرح اپنی ساری عمر کو اسی جد وجہد کے لئے وقف کر دے۔

خطا کاریوں کے بعد مایوس ہو کر بیٹھ جانا اور حد سے زیادہ اثر لیتے جانا خود ایک بہت بری خطا ہے۔ بشر خطا کیلئے ہے خطا بشر کیلئے۔ احساس گناہ و خطا صرف وہی مفید ہے جو مایوس نہ کرے بلکہ تلافی پر اُبھارے اور بے چین کر دے۔ اِسی کا نام ہے تو بہ؟ اور یہی وہ بشارت ہے جو زیر بحث حدیث میں یوں دی گئی ہے کہ:۔

و خیر الخطائین التوابون۔ بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں۔

توبہ کے معنی زبان سے "توبہ توبہ" کی تکرار کرنا نہیں۔بلکہ اِس کا مطلب ہے اپنے صحیح مقام پر لوٹ آنا۔اِس کی بہت سے شکلیں ہیں۔یہاں اِن سے بحث نہیں۔توبہ کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ اِس غلطی کا اپنے امکان بھر پھر اعادہ نہ کیا جائے اور جو کچھ ہو چکا ہے اِس کو اپنی 'صواب کاریوں" سے ڈھانپ لیا جائے۔اِسی ڈھانپنے کو مغفرت کہتے ہیں۔

اِس مضمونِ حدیث کی تائید میں ایک بڑی معنی خیز حدیث اور بھی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لو لم تذنبوا. لذھب اللّٰہ بکم و لجاء بقومہ یذنبون فیستغفرون فیغفر لھم۔(رواہ مسلم عن ابی ہریرہ)

قسم ہے اِس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم ارتکاب گناہ نہ کرتے تو اللہ تمہیں رُخصت کر کے ایک ایسی اُمت کو پیدا کر دیتا جو گناہ کر کے مغفرت طلب کرتی اور اللہ اِن کی مغفرت فرماتا۔

اِس کا یہ مطلب نہیں کہ بالعمد گناہ ضرور کرنا چاہیے۔اِس میں دراصل فطرتِ انسانی کو بتایا گیا ہے کہ بہر حال گناہ اِس سے ہو ہی جاتا ہے۔اگر نہ ہوتا تو انسان زیادہ سے زیادہ معصوم فرشتہ ہوتا یا بے گناہ جانور۔پھر خلافتِ ارضی کیلئے آخر ایک دسری ہی مخلوق کی ضرورت ہوتی جو انسان کی طرح امکان خطا کے ساتھ ساتھ امکانِ ارتقا کی حامل ہوتی۔

غرض انسان عجیب مخلوق ہے جس کی خیر اِس کے شر سے وابستہ ہے اور اِس کا ارتقا اِس کی خطا کاریوں کے پہلو بہ پہلو ہے۔

ماہِ صفر کا بیان

(مفتی عبدالکریم صاحب)

ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے کہ بے شک مہینوں کا ہٹانا کفر میں ترقی (کا باعث) ہے (یعنی منجملہ اور کفریات کے یہ حرکت بھی کفر ہے جو کفارِ قریش ماہ محرم وغیرہ کے متعلق کیا کرتے تھے۔ مثلاً اپنی غرض سے محرم کو صفر قرار دے کر اِس میں لڑائی کو حلال کہہ دیتے تھے وغیرہ ذلک) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نہ (مرض کا) تعدیہ ہے (بلکہ جسطرح اولاً حق تعالیٰ کسی کو مریض بناتے ہیں، اِسی طرح دوسرے کو اپنے مستقل تصرف سے مریض کردیتے ہیں۔ میل جول وغیرہ سے کوئی مرض کسی کو نہیں لگتا یہ سب وہم ہے) اور نہ (جانور اُڑنے سے) بدشگونی لینا کوئی چیز ہے (جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ داہنی جانب سے تیتر وغیرہ اُڑے تو اِس کو اچھا سمجھتے ہیں اور بائیں جانب سے اُڑے تو منحوس جانتے ہیں، یہ سب ڈھکوسلے ہیں) اور نہ اُلو کی نحوست کوئی چیز ہے (جیسا کہ عام طور پر اِس کو لوگ منحوس خیال کرتے ہیں) اور نہ صفر کی نحوست کوئی چیز ہے۔ (بخاری)

ف۔ آج کل بھی بہت جگہ ماہ صفر کو منحوس سمجھتے ہیں یہ بالکل من گھڑت بات ہے اور حدیث شریف کے صریح خلاف ہے، اور اِس کی نحوست سے محفوظ رہنے کے واسطے تیرھویں تاریخ کو گھونگنیاں تقسیم ہوتی ہیں۔ اِس کا بناء الفاسد علی الفاسد ہونا ظاہر ہی ہے اور اگر کسی کو نحوست کا خیال نہ ہو تب بھی گھونگنیاں پکانا مباح میں التزام اور پابندی کی وجہ سے بدعت اور گمراہی تو ہے ہی۔ کمالا یخفیٰ۔ اور ایک رسم اِس ماہ میں آخری چہار شنبہ کی مروج ہے، یہ بھی بالکل بے اصل اور بدعت سیئہ ہے ۱۲۔

اور ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بد فالی ایک شرک ہے اِس کو تین مرتبہ فرمایا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم میں ایسا کوئی نہیں جس کو خیال نہ آتا ہو، لیکن اِس کو توکل کے

ذریعہ بھگادیتا ہے۔ (ابوداؤد اور ترمذی)

ف۔ جوبات مشہور ہو اس کا خیال وقت پر ہی آجاتا ہے، لیکن اُس خیال پر عمل کرنا یا اس کو دل میں جمانا جائز نہیں ہے بلکہ توکل کے خیال کو غالب کرتے تو خیال باطل فوراً رفع دفع ہو جائے گا ۱۲۔

اور رسول خدا ﷺ سے عورت اور مکان اور گھوڑے میں نحوست ہونا جو (بخاری و مسلم میں) مروی ہے، اِس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو اُن میں ہوتی۔ (جیسا کہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے)۔

بعض مقامات پر صفر کے آخری چہار شنبہ کو تہوار مناتے ہیں اور ایک عیدی بھی دیتے ہیں جس کا یہ مضمون ہے۔

آخری چہار شنبہ آیا ہے
غسل صحت نبی نے پایا ہے

اور مکتبوں میں چھٹی بھی ہوتی ہے، سو یہ سب ایجاد فی الدین ہے۔

لطیفہ:۔ ایک نواب زادہ نے اپنے معلم سے جو کہ محقق تھے اِس تاریخ میں عیدی مانگی۔ انہوں نے عیدی کے پیرایہ میں اِس رسم کی خوب نفی کی ہے۔

آخری چہار شنبہ ماہ صفر
ہست چوں چہار شنبہ ہائے دگر
نہ حدیثی شدہ درآں وارد!
نہ درو عید کرد پیغمبر!

بعض کتب تصوف میں ایک حدیث لکھ دی ہے کہ **من بشرنی بخروج صفر بشرته بالجنة** ۔ "یعنی حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ کو ماہ صفر کے گزرنے کی بشارت دے گا میں اِس کو جنت کی بشارت دوں گا"۔

آہ! اِس سے بعض نے اِس ماہ کی نحوست پر استدلال کیا ہے۔ مگر دلیل ثبوتاً و دلالتاً دونوں طرح مخدوش ہے۔ یعنی نہ تو یہ حدیث ثابت ہے اور نہ ہی اِس مضمون پر دال ہے۔ اِس کو مدلول بر تقدیر قطع نظر از عدم ثبوت یہ ہے کہ آپ کی وفات ماہ ربیع الاول میں ہونے والی تھی اور آپ لقاء اللہ مسبوق بالموت کے مشتاق تھے اور اِس وجہ سے ربیع الاول کی ابتداء صفر کے انقضاء کی خبر کا آپ کو انتظار تھا۔

پس اِس خبر کے لانے پر آپ نے بشارت کو مرتب فرمایا۔ چنانچہ کتب تصوف میں اِسی مقصود کے اثبات و تائید کیلئے اِس کو وارد کیا ہے۔ بہر حال نہ یہ دلیل ثابت ہے اور نہ اُس کی دلالت ثابت ہے۔ پس دعوائے نحوست منہدم و منعدم ہو گیا۔

ملت ابراھیم علیہ السلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

رُوحانی مرکز

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کا پیشوا بنایا تو ایک خاص جگہ پر اہل زمین کیلئے ایک روحانی مرکز تعمیر کرنے کا شرف بھی آپ کو عطا کیا گیا۔ کیونکہ آگے چل کر جس ہستی نے رنگوں، نسلوں اور قوموں میں بٹی ہوئی دُنیا کو ایک کلمہ، ایک دین اور ایک مرکز پر لانے کا عظیم کام سرانجام دینا تھا اِس نے یہاں ہی جلوہ افروز ہونا تھا۔ گویا خلیل اللہ کے ہاتھوں سے اِس بستی کو آباد کیا جا رہا تھا جہاں حبیب اللہؐ کی تشریف آوری ہوئی تھی۔ بیت اللہ، مکہ مکرمہ، اپنی اولاد اور اہل ایمان کے بارے میں آپ کے فرمودات اور دُعائیں بھی خصوصی توجہ کی طالب ہیں کیونکہ جملہ اہل حرم یعنی اُمت مسلمہ کی کامیابی اِنہی سوچوں کو اپنانے اور اُن پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ قرآن کریم ہماری راہنمائی فرماتا ہے کہ بیت اللہ کس لئے تعمیر کیا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہاں کس غرض کیلئے بسایا اور آنے والی اُمت مسلمہ کیلئے کیسی کیسی پیاری دُعائیں فرمائیں۔ چنانچہ سورت ابراہیم کی آیات 35 تا 37 میں ارشاد ہوا ہے:۔

''اور جب ابراہیم نے دُعا کی کہ اے میرے رب اِس شہر کو امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اِس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ''۔

''اے میرے رب اُنہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ تو میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تُو بخشنے والا مہربان ہے''۔

''اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ اِس لئے کہ اے پروردگار یہ نماز قائم کریں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ اِن کی طرف جھکے رہیں اور اِن کو میووں سے روزی دے تا کہ تیرا شکر کریں''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی دُعاؤں کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے مکہ کو انسانوں کیلئے عالمگیر اجتماع اور امن و امان کے حصول کا مرکز بنا دیا۔ سورۃ البقرہ آیات 125 اور 126 میں یہ فرمان جاری فرمایا:۔

''اور ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا اور حکم دیا کہ جس جگہ ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اِس کو نماز کی جگہ بنالو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کیلئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو''۔

''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی اے پروردگار اِس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں اُنکے کھانے کو میوے عطا کر تو اللہ نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اُسکو بھی کسی قدر متمتع کروں گا پھر اُسے عذاب دوزخ بھگتنے کیلئے ناچار کر دونگا اور وہ بری جگہ ہے''۔

اُمت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ خصوصی فضل اور رحمت فرمانا چاہتے ہیں اِسی لئے ملت ابراہیم کا اِتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اُوپر لکھی گئی آیات پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کیلئے اپنے گھر کو صاف رکھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو حریم کبریاء میں داخلہ ملتا ہے۔ اہل حرم کو میوؤں اور پھلوں کا رزق عطا کرنے والی دُعا بھی منظور کر لی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو یہ دُعا صرف اہل ایمان کیلئے کی لیکن اللہ کی سراپا رحمت ذات نے اپنے نیک بندوں کے طفیل کفار کو بھی دُنیا کی قلیل زندگی میں فائدہ دینے کا وعدہ فرمالیا۔ یہ خاص بات بھی نوٹ فرمائیں کہ اللہ کے مقرب بندوں کے قدموں سے جو برکات ملتی ہیں اُن کے حصول کیلئے خود حکم فرمایا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے کھڑا ہونے والی جگہ پر نماز پڑھا کرو۔ چنانچہ آج بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین شریفین جس پتھر پر ثبت ہیں وہ ایک شیشے کے فانوس میں بند ہے جس کے سامنے ہمہ وقت نوافل پڑھنے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صفا اور مروہ کو شعائر اللہ قرار دے کر ان کے درمیان سعی کرنے کو عبادت میں شامل فرمادیا ہے اسی طرح مقبولین بارگاہ بندوں کے جو آثار اور نشانات ہوتے ہیں ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ان چیزوں کا احترام کرنا اللہ کے پیارے بندوں کی محبت کے زُمرے میں آتا ہے اور یہ محبت **مِنْ دُوْنِ اللّٰہ** نہیں بلکہ **فِی سَبِیلِ اللّٰہ** کہلاتی ہے۔ اس لئے حجرِ اسود کو چومنا، آبِ زمزم کو متبرک جاننا، حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبرکات کے لئے عقیدت و محبت کا

اظہار کرنا اور قرآن کریم کو بوسہ دینا یہ سب مستحسن اعمال ہیں۔
یہ بات تو برسبیل تذکرہ درمیان میں آگئی۔حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے انسانوں کے لئے روحانی مرکز بیت اللہ تعمیر کرتے وقت اپنی اولاد کے لئے امت مسلمہ کا اعزاز طلب کیا تو ساتھ ہی حضور خاتم النبیین رحمت للعلمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی بعثت کے لئے یہ دعا فرمائی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ o

(بقرۃ۔129)

''اے ہمارے رب ان میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیجو جو ان کو تیری آیات سنایا کرے اور کتاب اور حکمت سکھایا کرے اور اُن (کے دلوں کو) پاک صاف کیا کرے۔بے شک تُو غالب اور صاحب حکمت ہے''۔
اسی وجہ سے حضور ﷺ فرمایا کرتے کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا اثر ہوں۔

اہل ایمان کے لئے نصاب

1۔شرک سے پاک توحید

جب انبیاء کے سردار اور اللہ کے آخری رسول ﷺ کا ظہور ہوا تو صدیوں سے چھائی ہوئی ظلمت چھٹنے لگی۔اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل فرما دی اور نعمتوں کے اتمام کا اہتمام کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے دیوانے شمع رسالت کے گرد پروانوں کی طرح اکٹھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے دعاءِ خلیل کے الفاظ دہرائے اور مومنین پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ o (آل عمران:164)

''اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ اُن میں اُنہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو

اللہ کی آیات سناتا اور اُن کو پاک کرتا اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق خود بھی ملت ابراہیم کا اتباع کیا اور مومنین کو بھی شرک سے یکسر پاک توحید کی تعلیم دی کیونکہ شرک وہ ظلم عظیم ہے جو دوسرے اعمال کو غارت کردیتا ہے۔اللہ تعالٰی نے شرک سے بچنے کے لئے مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

"اے محمد ﷺ آپ کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو آپ سے پہلے آئے یہی وحی بھیجی گئی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال برباد ہوجائیں گے اور تم زیاں کاروں میں ہوجاؤ گے۔بلکہ صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گذاروں میں ہوجاؤ۔"(الزمر۔65۔66)

"آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں البتہ میری طرف وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے۔تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہے اسے چاہئے کہ نیک اعمال سرانجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔" (الکھف۔110)

اللہ سُبحانہ وتعالٰی ہر چیز کا خالق ہے۔آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کی ملکیت ہے۔ہر شے اپنے اپنے شعور کے مطابق اسے پہچانتی،اس کی تسبیح بیان کرتی اور اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے۔وہ اکیلا ہی کائنات کا نظام سنبھالے ہوئے ہے۔اس کی ذات قدیم اور حَــیٌّ قَیُّـومٌ ہے،اس کے لئے نیند،اُونگھ،تھکاوٹ اکتاہٹ،بھوک اور موت ہرگز روا نہیں۔نہ ہی اسے کسی وزیر مشیر اور اولاد کی حاجت ہے۔اگر چہ وہ ہماری عبادت یا بغاوت سے بے نیاز ہے لیکن بندوں کے لئے اپنی رحمت کے سبب کفر کی بجائے ایمان کو پسند فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

اے لوگو رسول تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں تو تم ایمان لے آؤ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔اور اگر کفر کرو گے تو جان رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ سب کچھ جانتے والا حکمت والا ہے۔"(نساء۔170)

مخلوق میں سے جن اور انسان ہی ہیں جو اللہ کے دیئے ہوئے اختیار کا غلط استعمال کرکے حق سے روگردانی کرتے ہیں تو اس کا وبال بھی انہی کی جانوں پر پڑے گا۔اگر کوئی انسان اللہ تعالٰی کی اَنگنت آیات کے معاملے میں اندھا بن جائے اور اپنے خالق ومالک کی پہچان سے محروم ہوجائے

تو اللہ کی بادشاہی میں ذرہ برابر بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ ہو:

وَقَالَ مُوسٰى اِنْ تَكْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ٥ (ابراہیم۔8)

''اور موسیٰ نے کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب کافر ہو جاؤ تو اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد ہے''۔

ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور بے پروائی کا ذکر یوں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اے میرے بندو اگر تمہارے اول و آخر تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم سب سے زیادہ متقی ہے تو اس سے میری بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوگا۔ اور اگر تمہارے اول و آخر اور انس و جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان ہے تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو اگر تم سب ایک میدان میں جمع ہو جاؤ اور مجھ سے سوال کرو اور میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کروں تو اس سے میرے خزانے میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔'' (رواہ مسلم)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ لوگو اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ نہ کہ کسی ایسی ہستی کی جو خود پیدا کی گئی ہو اور اس نے کچھ بھی پیدا نہ کیا ہو۔ اوپر دی گئی سورۃ کہف کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور سید البشر ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ معبود صرف ایک اللہ ہی ہے اور میں تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ کسی چیز کا رُتبہ یا مقام اس کی حد سے بڑھا دینا **غُلُو** کہلاتا ہے جو کہ ظلم ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے بارے میں کیا اور انہیں الوہیت کا مقام دے ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے اِن کی الوہیت کی نفی کرنے کے لئے ایک عام فہم مثال دی کہ وہ کیسے **اِلٰـہ** بن گئے وہ دونوں تو کھانا کھاتے تھے یعنی طعام کے محتاج تھے۔ جو خود ہی محتاج ہو اسے کوئی کج فہم ہی اپنا معبود بنا سکتا ہے۔ یہ کھانا کھانے والی شرط بڑی زبردست ہے کیونکہ کھانا تو ہر انسان ہی کھاتا ہے چاہے وہ کتنا بڑا ولی اللہ یا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس خدشہ کے پیشِ نظر اپنی اُمت کو تنبیہہ کرتے

ہوئے فرمایا:

وَلَا تَطْرُوْنِی کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ فَاِ انَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ۔ (رواہ بخاری)

''تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھایا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں۔ پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔''

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی قدرت اور شان کا بیان ہماری عقل کی رسائی اور وہم وگمان سے بھی باہر ہے۔ نا سمجھ انسان جن کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں انہوں نے تو ایک چیونٹی یا مچھر تک پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ رب العالمین ان سے پوچھتا ہے:

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَیْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُo (الرعد۔16)

''بھلا ان لوگوں نے جن کو اللہ کا شریک مقرر کیا ہے کیا انہوں نے اللہ کی ہی مخلوقات پیدا کی ہے کہ ان کو مخلوقات میں شبہ پڑ گیا۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ یکتا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی بندگی میں کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرانے کے تحت احکام دیئے ہیں وہاں اپنے رسولوں اور نیک بندوں کی عزت وتوقیر کے آداب بھی سکھائے ہیں کیونکہ ادب کرنے والے ہی مراد پاتے اور بے ادب بے نصیب رہ جاتے ہیں۔ لیکن حفظِ مراتب کا لحاظ رکھنا اشد ضروری ہے تا کہ نہ تو خدا کو بندہ بنایا جائے اور نہ ہی بندوں کو خدا۔ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے لوگوں کو اپنی بندگی کی دعوت نہیں دیتے بلکہ اللہ کا راستہ بتاتے اور انہیں اللہ والے بنا دیتے ہیں۔ اب ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں:۔

کسی انسان کے شایاں نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ اس کو یہ کہنا سزاوار ہے کہ تم رب والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ اور وہ تمہیں یہ بھی نہیں کہے گا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنا لو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا وہ تمہیں کافر ہونے کو کہے گا۔

(آل عمران۔79 تا 80)

''اور جو شخص ان میں سے کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں''۔ (الانبیاء۔29)

''جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ ہیں وہ بے شک کافر ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اگر اللہ عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اُس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

(المائدۃ۔17)

آپ نے اللہ کی بے نیازی اور جلال شاہی سے بھر پور فرمان سنا کہ ہم ساری مخلوق کو ہلاک کرنا چاہیں تو کون ہے جو ہمارا ہاتھ روک سکے۔ آیات کے ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کفر و شرک صرف پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے بتوں کو معبود بنانے کا نام ہی نہیں ہے بلکہ انبیاء اور ملائکہ کی الوہیت اور ربوبیت کا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے۔ جو انسان خود الٰہ اور رب ہونے کا دعویٰ کرے وہ بھی اور جو لوگ اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کو معبود ٹھہرائیں وہ بھی ظالم شمار ہوں گے۔ جن برگزیدہ ہستیوں کو ہم مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ لیتے ہیں اور ہر مشکل میں انہی کو پکارتے ہیں حالانکہ انہوں نے ایسی تعلیم ہرگز نہیں دی ہوتی تو وہ اللہ والے اپنے عقیدتمندوں سے ہرگز خوش نہ ہوں گے کیونکہ ان کے **غُلُو** کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے بھی پوچھ گچھ کرے گا جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

''اور جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو۔ وہ کہیں گے تو پاک ہے۔ مجھے کب شایان تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہو گا تو آپ کو معلوم ہو گا۔ جو بات میرے دل میں ہے آپ جانتے ہیں اور جو آپ کے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا بے شک آپ **عَلَّامُ الْغُيُوبِ** ہیں۔ میں نے انہیں وہی کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تم سب کا بھی رب ہے۔ اور جب تک میں اُن میں رہا اُن کی

خبر رکھتا رہا۔ جب آپ نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو آپ ہی ان کے نگران تھے اور آپ ہر چیز سے خبردار ہیں۔'' (المائدۃ۔116تا117)

ملت ابراہیم کے کڑے معیار میں شرک صرف بتوں کے آگے سر جھکانے ہی کا نام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کی محبت کا مد مقابل کسی بھی چیز کو ٹھہرانا شرک ہے خواہ وہ جان و مال یا اپنے نفس کی خواہشات ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

o ''آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔''

(جاثیۃ۔23)

o ''افسوس ہے مشرکین پر جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی قائل نہیں۔''

(حم سجدہ۔7)

o ''مشرکوں میں نہ ہونا جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور خود فرقے فرقے ہو گئے۔''

(روم۔32)

o ''شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں باتیں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں۔ اگر تم ان کے کہنے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہو۔'' (انعام۔121)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان یہاں ختم کرتا ہوں ورنہ قرآن کریم کے ورق ورق پر کائنات کے خالق و مالک اور حکمران کی قدرت و عظمت کے روشن اور بین دلائل ثبت ہیں۔ اور یہ التجا بھی کرتا ہوں کہ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت با ترجمہ کیا کریں۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

2۔ اخلاص

توحید میں اخلاص کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس میں کسی طرح کی بھی آمیزش نہ ہو۔ ایک مومن کو اس عقیدے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی یعنی غلامی کرنی چاہئے کہ نظام کائنات کی ملکیت اور ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ زندگی کی ہر نعمت اللہ تعالیٰ ہی سے ملتی ہے اور وہی مصیبتوں، بیماریوں اور تکلیفوں کو دور کرنے والا ہے۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ o ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ o (نحل۔53تا54)

''اور جو نعمتیں تم کو میسر ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں اور جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُس کے آگے چلاتے ہو۔ پھر جب وہ تکلیف دور کر دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شریک کرنے لگتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ اس روش کو پسند نہیں فرماتا کہ میرے بندے میری بجائے دوسری ہستیوں کو اپنا رب مان لیں، انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں اور ان کے سامنے دعائیں اور التجائیں کرنا شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کو یکسوئی اور اخلاص پسند ہے اور بار بار اسی کا حکم دیا ہے۔

''پہلوں کو بھی یہی حکم دیا تھا کہ اخلاص کے ساتھ تمام امیدیں اللہ کے ساتھ وابستہ کر کے اور یکسو ہو کر اس کی بندگی کرو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور یہی سچا دین ہے۔'' (البینہ۔5)

''ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو پورے دین (یعنی نظام حیات) کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کرو۔'' (الزمر۔2)

''وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تم پورے دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارو، ہر طرح کی تعریف اللہ کیلئے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔''
(مومن۔65)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے ارشاد ہوا ہے کہ نظام بندگی کو اسی کیلئے خالص کر کے اس کی بندگی کروں۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ کہہ دیں کہ اگر میں اپنے رب کا حکم نہ مانوں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ میں اپنے دین کو (شرک سے) خالص کر کے اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔'' (الزمر۔11تا14)

''دین کو خالص کر کے صرف اسی کو پکارو اگرچہ کافر بُرا ہی جانیں'' (المومن۔14)

انسان جب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مدد کے لئے پکارتا یا اس کے سامنے سر جھکاتا ہے تو وہ

شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کو اپنا رب بنا کر اس کی بندگی کا مرتکب ہوتا ہے جو درحقیقت شیطان کی اطاعت وعبادت ہے۔جیسا کہ سورۃ یاسین میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا کہ وہ تمہارا دشمن ہے اور صرف میری ہی عبادت کرنا کہ یہی صراط مستقیم ہے۔" بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمت اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم ہر نماز میں پڑھتے ہو اور اللہ کے سامنے اقرار کرتے ہو کہ **اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنَ** ۔کہ ہم آپ ہی کی بندگی کرتے اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔تو پھر اس آیت پر عمل بھی کرو ورنہ اسے پڑھا نہ کرو۔

برادران کرام! یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اعمال صالح کے اجر وثواب کا انحصار نیت پر ہوتا ہے۔جو عمل خلوص نیت کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیا جائے گا اس کی قبولیت سینکڑوں بلکہ ہزاروں گنا بڑھ جاتی ہے۔اعمال کو قوت پرواز عطا کرنے والے پَر "خلوص اور محبت" ہیں۔اسے حسابی کلیہ کے مطابق یوں سمجھئے کہ "عمل x خلوص = اجر ثواب" اگر عمل تو ہے مگر خلوص ومحبت سے خالی ہے تو عمل ضائع (عمل x صفر = صفر) ہو جائے گا۔

لیکن اس کے برعکس اگر صرف زبانی محبت کے بلند وبانگ دعوے تو موجود ہیں لیکن عمل مفقود ہے تو بھی نتیجہ صفر ہی ہوگا۔(صفر x خلوص = صفر)

ایک اور بات بھی یاد رکھیے کہ اس کارزارِ حیات میں دشمنِ ایمان شیطان سے اگر کوئی ذرہ محفوظ رکھ سکتی ہے تو وہ خلوص ہی ہے۔روزِ ازل جب ابلیس کو مہلت عطا کر دی گئی کہ وہ انسانوں کو صراط مستقیم یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی راہ سے ہٹانے کے لئے اپنے حربے آزمالے تو اس نے بھی جذبہ اخلاص کے سامنے اعتراف شکست کر لیا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ o اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ o (الزمر۔82تا83)

"شیطان کہنے لگا تیری عزت کی قسم میں ان سب (انسانوں) کو بہکاؤں گا سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔"

3۔توکل علی اللہ

اِنِّی وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ۝ (الانعام۔79)

''میں نے یکسو ہو کر اپنے چہرے کا رُخ اِس ذات کی طرف کر لیا ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں''۔

یہ ہے وہ اعلان جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارے، چاند اور سورج کی چمک دمک اور ربوبیت کو ٹھکرا کر خالق کائنات کے سامنے سربجود ہو کر کیا اور اُمت مسلمہ کا ہر فرد نماز شروع کرنے سے پہلے اِسی کا اقرار کرتا ہے کہ میں نے بھی اپنی نظروں اور اُمیدوں کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات کو بنا لیا ہے۔ اِسی کو توکل علی اللہ کہا جاتا ہے۔ ایک مومن زندگی کی تگ و دو میں تمام ممکنہ اور جائز اسباب کو اختیار تو کرتا ہے لیکن نتائج کیلئے نگاہ مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ پر رکھتا ہے کیونکہ وہی فاعلِ حقیقی ہے۔ اِس جذبہ ایمانی کی تشریح کیلئے ایک حدیث مبارکہ سماعت فرمائیں:

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس کو فرمایا ''اے لڑکے میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں۔ یہ کہ اللہ کو یاد رکھو وہ تمہاری حفاظت کریگا۔ اللہ کو یاد رکھو تم اُسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تم مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو اور یہ یقین جانو کہ اگر پوری دنیا والے تمہیں نفع پہنچانے کیلئے جمع ہو جائیں تو تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے۔ اور اگر ساری دنیا والے تمہیں نقصان دینے پر تُل جائیں تو اتنا ہی نقصان دے سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے۔ قلم اُٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں''۔ (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ پر ایمان کی پختگی کی کسوٹی توکل اور بھروسہ ہی ہے اس کے بارے میں اب چند احکامات ملاحظہ ہوں:۔

''اگر تم صاحب ایمان ہو تو اللہ پر ہی بھروسہ رکھو۔'' (المائدہ۔23)

''اللہ پر بھروسہ رکھنا اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔'' (احزاب۔3)

''جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو پھر وہی اس کے لئے کافی ہے۔'' (طلاق۔3)

"اللہ کے اِذن کے سوا مومنوں کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ مومنوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔" (مجادلہ۔10)

"آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے۔ وہ ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ ہی کا بھروسہ رکھنا چاہئے۔" (توبہ۔51)

4۔ ماسواءاللہ کا خوف

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے اس حقیقت پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہیں کہ نفع اور نقصان پہنچانے والی صرف اللہ کی ذات ہے اس لئے وہ محبوب ومعبود اللہ کو کبھی نہیں چھوڑتے اور اسکے سوا نہ کسی سے ڈرتے ہیں نہ خاطر میں لاتے ہیں اور یہی اللہ کا حکم ہے۔

"کیا تم اُن (کفار) سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔" (توبہ۔13)

"یہ تو شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔" (آل عمران۔175)

"سواُن سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا تا کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور یہ بھی کہ تم راہ راست پر چلو۔" (البقرہ۔150)

"مساجد کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ ایسے لوگ ہی امید ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں میں ہوں۔" (توبہ۔18)

یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ ماسواءاللہ کا خوف شرک ہی کا شاخسانہ ہے۔ کیونکہ انسان اسی سے ڈرتا ہے جسے نفع ونقصان پر قادر جانتا ہے۔

رمزِ پیغام محمد ﷺ جو سمجھ جاؤ گے
شرک کو خوف کے پردے میں چھپا پاؤ گے

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھو اسی پر بھروسہ رکھو اسی سے چمٹے رہو یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے اور یہی کامرانی کی راہ ہے۔

''جولوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھا اُن کو وہ اپنی رحمت اور اپنے فضل میں داخل کرلے گا اور اپنی طرف (پہنچنے کا) سیدھا راستہ دکھائے گا۔'' (النساء۔175)

''اور اللہ کی راہ میں ویسا جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے۔اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔یہ طریقہ ہے تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا۔اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا اس قرآن سے پہلے بھی اور اس میں بھی تا کہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں پر گواہ بن جاؤ۔پس تمہیں چاہئے کہ نمازیں قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو۔وہی تمہارا ولی اور مالک ہے پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے۔''
(الحج۔78)

5۔شکر یعنی احسان شناسی

شکر ایک باطنی احساس اور قلبی کیفیت کا نام ہے۔یہ تو کسی ہستی کے کئے ہوئے احسان اور لطف و کرم کو جاننے اور ماننے کا نام ہے۔اِس کی مہربانیوں کا کامل شعور اور اِسکے حسن سلوک کے احساس سے دل کے معمور رکھنے کا مقام ہے۔اِس احسان شناسی کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ انسان بھی اِس ہستی کیلئے محبت اور ایثار کا مظاہرہ کرے اور اِسکے جو حقوق ہیں انہیں خوشی اور خلوص کے ساتھ ادا کرے۔اگر کوئی انسان اِس کے برعکس کسی کی مہربانیوں اور دی ہوئی نعمتوں سے آنکھیں بند کرلے یا انکار کر دے تو اسی کا نام ناشکری یا کفر ہے اللہ تعالٰی کے معاملے میں یوں سمجھ لیں کہ احسان شناسی شکر اور ایمان کی اور احسان فراموشی ناشکری یا کفر کی راہ ہے۔انسان کو اللہ تعالٰی کی محبت اور عبادت کے صراط مستقیم سے ہٹانے کے لئے شیطان کا بنیادی ہتھیار ہی یہ ہے کہ وہ انسان کو نفسانی خواہشات اور مادی لذات میں الجھا کر احسان شناسی اور شکر و ایمان کی راہ سے ہٹا دیتا ہے۔

''شیطان نے کہا کہ مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی ان کی خاطر تیرے صراط مستقیم پر بیٹھوں گا۔پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (بے راہ کرنے کیلئے) آؤنگا اور تو اُن میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''(اعراف۔16تا17)

اللہ تعالٰی نے انسان کو نیکی بدی اور خیر و شر میں تمیز کرنا سکھائی اور اعمال میں انتخاب و اختیار کی صلاحیت عطا کر کے زندگی اُس کے لئے ایک امتحان بنا دی ہے۔

''ہم نے انسان کوراہ بتادی ہے اب چاہے وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا بنے۔'' (الدھر۔3)
جس بندے کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس وشعور ہوگا وہ ضرور اس کی اطاعت وبندگی کی راہ اختیار کریگا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتادیا کہ وہ میری نعمتوں کے لئے شکر گذاری کرنے والے تھے اور یہ بھی مہربانی فرمائی کہ امت مسلمہ کو محدود اور ذاتی قسم کی نعمتوں کے تصور سے نکال دیا اور شکر گذاری کے شعور کو نئی جہتیں دے کر وسعت عطا فرمادی تا کہ اُسے اللہ کی معرفت کے اعلیٰ مقامات تک رسائی ہو۔
''ابراہیم اللہ کی نعمتوں کے شکر گذار تھے۔اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا اور صراط مستقیم پر چلایا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھلائی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہونگے۔''
(نحل۔121تا122)
''اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات کو اور دن کو بنایا تا کہ تم اس میں آرام کرو اور اس کا فضل تلاش کرو تا کہ تم شکر کرو۔''(القصص۔ 73)
''بھلا دیکھو تو جو پانی پیتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کردیں پھر تم کیوں شکر نہیں کرتے۔''(واقعہ۔68تا70)
''وہی تو ہے جس نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر کردیا تا کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور (موتی) وغیرہ نکالو جسے تم پہنتے ہو۔اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس کو پھاڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں تا کہ تم اللہ کے فضل سے معاش تلاش کرو تا کہ اسکا شکر کرو۔''(نحل۔14)
''اور ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانا بنایا اور اس میں تمہارے لئے سامان معیشت پیدا کئے مگر تم کم ہی شکر کرتے ہو۔''(اعراف۔10)
''اور ان کے لئے ایک نشانی مُردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اُس میں سے اناج اُگایا پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں اور اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے اور اس میں چشمے جاری کردئے تا کہ یہ انکے پھل کھائیں۔اور ان کے ہاتھوں نے تو انکو نہیں بنایا پھر یہ شکر کیوں نہیں کرتے۔ (یاسین۔32تا35)
''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں ان میں سے ہم نے ان کے لئے چوپائے پیدا کردئے اور یہ ان کے مالک ہیں۔اور اُن کو ان کے قابو میں کردیا۔

کوئی تو اُن میں سے ان کی سواری ہے اور کسی کو یہ کھاتے ہیں اور اُن میں اِن کے لئے کئی فائدے اور پینے کی چیزیں ہیں تو یہ شکر کیوں نہیں کرتے۔'' (یاسین ۔71تا73)

''اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم بہت کم شکر کرتے ہو۔'' (سجدہ ۔9)

''اگر تم شکر کرو (یعنی اس کی نعمتوں کے احسان شناس بن کر) ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ تو قدر شناس اور دانا ہے۔'' (نساء ۔147)

''آپ کہہ دیجئے بھلا تم کو جنگلوں اور سمندروں کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے جب تم اسے عاجزی اور دلی نیاز سے پکارتے ہو کہ اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دے تو ہم شکر گزاروں میں ہو جائیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی تم کو اس سے اور ہر سختی سے نجات بخشتا ہے پھر تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔'' (انعام ۔63تا64)

جیسا کہ شکر کی تعریف میں ہم نے لکھا ہے کہ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں کا احساس اور شعور حاصل ہو جائے تو وہ قلب و زبان سے اسی کی حمد و ثناء کرے اور خلوص نیت کے ساتھ اسی کا مطیع اور تابع فرمان بن جائے۔

لا الہ کوئی نگو ازرُوئے جاں
تاز اندام تو آید بُوئے جاں

قرآن کریم میں والدین کا شکر ادا کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ انہوں نے تمہیں پالنے پوسنے میں جو مشقت اٹھائی اور جو تمہارے ناز نخرے اٹھائے انکا دلی احساس کرو اور تم بھی ان کے ساتھ شفقت اور رحمت کا سلوک کرو، ان کی خدمت کو کبھی بوجھ نہ جانو اور نہ ہی اُکتاہٹ کا اظہار کرو۔ یہ حقوق زبانی شکریہ کے چند الفاظ کہہ دینے سے پورے نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی شکر کا حق محبت و عبادت اور تسلیم و رضا کی راہ پر چلنے ہی سے ادا ہوتا ہے۔ اللہ کے ہاں اس منافقانہ روش کی کوئی قدر و قیمت نہیں کہ زباں پر الحمد للہ ہو رہا ہو اور دل شکووں سے پر اور غم دُنیا میں رو رہا ہو۔ تمام تر تعلیم و تربیت کا مقصود یہی یہ ہوتا ہے کہ انسان کا شعور اور سوچنے کا انداز بدلا جائے۔ جب ذہن بدلے گا تو طرز حیات میں بھی انقلاب برپا ہو جائے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کی گئی خصوصی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد آل داؤد کو حکم دیا کہ شکر گذاری والے اعمال کرو کہ یہی اس کی نوازشوں کا حق ادا کرنے کا طریقہ ہے۔

اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُہ (سبا۔13)

"اے آلِ داؤد شکر گذاری والے اعمال کرو۔اور میرے بندوں میں تھوڑے ہی شکر گزار رہیں۔"

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ ۔اللہ رحیم وکریم نے سچ فرمایا۔کیونکہ انسان اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر غور کرنا شروع کردے تو اپنے منعم حقیقی کو پہچان جائے اور اسکی بندگی کی راہ میں بچھتا چلا جائے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا اولین مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ "اللہ کی آیات یعنی نشانیاں بیان کرتے ہیں۔" جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اسکی دی ہوئی نعمتوں کا ذکر ہوتا ہے۔اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جو کہ بنی نوع انسان پر نہایت مہربان اور نعمتیں عطا کرنے میں سخی اور فراخ دل ہے میرے خیال میں وہ نعمتوں کا احسان نہیں جتلاتا بلکہ یہ احساس دلانا چاہتا ہے کہ اسے انسان سے بہت زیادہ محبت ہے تاکہ وہ بھی اس محبت کا جواب محبت سے دے اور اس کی محبت اور عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔لیکن ایسے بھلا کیونکر ہوسکتا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے انتخاب وعمل کا اختیار خود عطا کیا ہے۔اور جہاں اختیار ہوگا وہاں اختلاف کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔اب ذرا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلے میں انسان کے ظلم اور اسکی ناشکری کے بارے میں قرآن کریم کا ایک جامع بیان دیکھئے:

"اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے اور کشتیوں کو تمہارے زیرفرمان کیا۔اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگادیا کہ دونوں ایک دستور پر چل رہے ہیں۔اور رات اور دن کو تمہاری خاطر مسخر کیا۔اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تم کو عنایت کیا۔اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو احاطہ نہ کرسکو۔مگر بے شک انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔"(ابراہیم۔31 تا 34)

علامہ اقبالؒ نے شاید اسی خیال کو شعر میں ڈھال دیا ؎

یہی انساں ہے سلطاں بحر و بر کا؟
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں نَے خدا بیں نَے جہاں بیں
یہی شاہکار ہے تیرے ہُنر کا؟

(جاری ہے)

باباجی کا پانچ روزہ دورہ ملتان

سید خالد محمود بخاری

مورخہ 18-11-2011 بروز جمعہ بوقت 2 بجے دوپہر باباجی اور یعقوب خان صاحب لاہور سے بذریعہ ڈائیوو بس عازمِ ملتان ہوئے۔ امین شاہ صاحب کے گھر رحمت کالونی میں ظہرانہ کے بعد قیلولہ اور استراحت فرمایا۔ مغرب کے بعد ذکر کیلئے بھائیوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ باباجی نے محفلِ ذکر میں پہنچتے ہی فرمایا کہ پانی کو اٹھائیں بیچ میں نہ رکھا کریں پانی جس نے پینا ہے پی لے اگلے اسٹیشن پہ گڈی رکے گی پھر پانی ملے گا راستے میں پانی پینے کی اجازت نہیں ہے۔ ذکر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کثرت سے ذکر کرنے کا جو اللہ کا حکم ہے اس کو سلطان باہوؒ نے یوں فرمایا کہ جو دم غافل سو دم کافر سانوں مرشد ایے سمجھایا ہو جو سانس خالی گزر گیا وہ کفر کا ہے جو سانس اس کی یاد میں گزرا وہ ایمان کا ہے جس سانس میں خدا یاد نہ آئے اس میں کیا ایمان۔ کوشش کرو کہ کوئی بھی سانس اللہ کی یاد سے خالی نہ جائے۔ ہر سانس سے اللہ اللہ کرو ویسے بھی نعمت کا شکر واجب ہے سب سے بڑی نعمت سانس ہے اگر سانس رک جائے تو زندگی ختم انسان پانی کے بغیر بھی کچھ دن نکال جاتا ہے روٹی کے بغیر بھی کچھ دن گزار جاتا ہے لیکن انسان سانس کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتا اس سانس کا بھی شکر واجب ہے وہ یہ ہے کہ ہر سانس سے اللہ اللہ پکارو قرآن میں اس کا طریقہ بھی بتایا دیا سورۃ اعراف میں ہے کہ **"وذکر ربك فـي نفسك "** اپنے رب کو اپنے سانس میں یا دل میں یاد رکھو نفس کے معنی سانس بھی ہے نفس کے معنی دل بھی ہے تو اس ذکر کو پاس انفاس کہتے ہیں یعنی سانسوں کا خیال رکھنا۔ انفاس نفس کی جمع ہے۔ سانس پر پہرہ لگاؤ کہ اس کی یاد کے بغیر نہ آئے نہ جائے اگر بغیر یاد کے سانس جائے تو اس پر چیک رکھو ڈیوٹی لگا دو نا کہ لگاؤ کہ اللہ کی یاد کے بغیر نہیں جا سکتا نہ باہر آ سکتا ہے اس پر پہرہ رکھنا ہے تو اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ "اور اپنے ربّ کو دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے، زبان سے آواز نکالے بغیر صبح اور شام اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔ جو آواز ہر کوئی سن لے وہ آواز نہیں۔

وہ آواز جس کو وہ سنتا ہے ۔غافل کا مطلب یہ نہیں کہ دین سے غافل مطلب یہ ہے کہ اس (اللہ) کو نہ بھولے کوئی وقت ایسا نہ گزرے سوتے ہوئے جاگتے ہوئے ہر وقت اللہ اللہ ۔خدا پاس تو ہے ہی آپ بھی اسے پاس سمجھیں تم کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ تو ہے ہی ساتھ۔ لیکن تم بھی اس کو ساتھ سمجھو ۔اس کو پاس سمجھو شاہ رگ کے بھی نزدیک ہے ہمیں تو ابھی شاہ رگ بھی نہیں ملی وہ اس سے بھی نزدیک ہے تو اس کو پاس سمجھو بندہ دھیان اندر رکھے تو سانس کی شوکیں سنائی دیتی ہیں خیال کرے کہ اس نے اللہ کہا ہے جیسے لوگ کہتے ہیں کہ تیتر بولتا ہے تو کہتا ہے کہ **سبحان تیری قدرت** وہ جو مرضی بولے وہ اپنے حساب سے بولتا ہے تو خیال کرے کہ سانس کی جو آواز ہے اس نے اللہ کہا ہے دل میں سے نکلا اور دماغ کی چوٹی تک چلا گیا جب پھر اللہ کہے اور دماغ سے دل میں آ جائے اسی طرح دل سے دماغ میں اور دماغ سے دل میں اللہ۔ "اللہ ہو" نہیں کہنا صرف اللہ جتنا لمبا سانس ہے اتنا لمبا لفظ اللہ کو کریں دھیان اندر رکھیں باہر نہ دیکھیں بورڈ نا ملیاں بتیاں یہ تو جلتی رہیں گی روز جاؤ سڑک پر روز ہی جل رہی ہونگی دھیان اپنے اندر رکھو قرآن میں آتا ہے کہ مرد اور عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں تا کہ بورڈ نا ملیاں وغیرہ نہ دیکھو دھیان اپنے اندر ہی رہے نیچے دیکھ کر چلیں گے تو آپ کا دھیان بورڈ اور ادھر ادھر نہیں جائے گا اپنے دھیان، من ہی من میں اللہ اللہ کریں۔ پہلے وقتوں میں عورتیں بچوں کو لوریاں دیا کرتی تھیں: اللہ اللہ کریا کرو خالی دم نہ بھریا کرو خالی دم بھرتے ہو "شوں شوں" ہو رہی ہے اس کے ساتھ اللہ اللہ کیا کرو ہمارے باباجیؒ کی سلوک کے دوران ایک جنگل میں ڈیوٹی لگ گئی وہاں ہڈیاں اکٹھی کرتے جو بیڈ لیمن وغیرہ میں استعمال ہوتیں کچھ برس وہاں رہے۔ کہتے کہ میں جنگل میں اکیلا تھا "ایک گڑھا کھود کر پانی چھڑکاؤ کر کے چٹائی بچھا کر سو جاتا بڑا مزا آتا اللہ اللہ کرتا دور ایک گاؤں میں انجن لگا ہوا تھا جس سے آواز آتی: تو وہ تو وہ فرماتے کہ میرا بس تنہائی کا وہی ساتھی تھا کبھی کبھی آ پکوا چانک آواز آتی تو کہتے کہ وہ آواز آ رہی ہے ۔وہ جو مرضی کہتا لیکن فقیر کہتا کہ وہ اللہ اللہ ہی کر رہا ہے میں بھول جاتا کہ جنگل میں کدھر ہوں بس اللہ اللہ کرتا رہتا یہ ذکر پاس انفاس ہے یہ چوبیس گھنٹے کیا جاتا ہے کوئی اس کا وقت نہیں ہے کوئی ٹائم نہیں ہے اسکے لئے کوئی وضو نہیں ہے

کیوں کہ وہ اندر کا ذکر ہے ہر وقت آپ کر سکتے ہیں۔

نفی اثبات: دوسرا ذکر یہ جو ابھی ہم کریں گے **لا الٰہ الا اللہ** کا ذکر ہے اسے صوفیاء نے نفی اثبات کا نام دیا۔ ایک حصہ نفی ہے دوسرا اثبات۔ نفی کا مطلب "نہیں" اور اثبات کا مطلب "ہاں" ہے۔ پہلا حصہ لا الٰہ یہ نفی ہے دوسرا حصہ **الا اللہ** یہ اثبات ہے اس کو مرشد کے بتائے ہوئے طریقہ سے کرنا ہے کہ دل میں اللہ کا نقش ثبت ہو جائے بزرگ کہتے ہیں کہ تختی اور بورڈ صاف نہ ہو تو اس کے اوپر اللہ لکھو گے تو کیا پتہ چلے گا پہلے اسے صاف کرو کوئی نشان نہ ہو پھر اس پر اللہ لکھو یعنی **لا الٰہ** سے صاف کرو پھر اس پر مہر لگاؤ اللہ صاف نظر آئے کہ اللہ لکھا ہے یہ ذکر اسی طرح کیا جاتا ہے کہ جب **لا الٰہ** کہو تو ذہن میں کوئی خیال کوئی تصویر کوئی نقش باقی نہ رہے یہ خیال کرو کہ اس وقت کوئی چیز موجود نہیں ہے اس کے معنی ہیں کہ کوئی معبود نہیں لیکن ذکر کرتے وقت یہ خیال کریں گے کہ کوئی چیز موجود نہیں ہے یہ دوزانوں بیٹھ کر کیا جاتا ہے لائٹ بجھا دی جاتی تا کہ نفی کرنے میں آسانی ہو۔ پہلے چند مرتبہ درود شریف ہو گا ہر برکت والا کام شروع کرنے سے پہلے درود شریف پڑھیں ہمارا سارا کچھ حضورﷺ کی ذات سے ہی جڑا ہوا ہے اللہ کا راستہ سب آپ کے توسل سے ملا ہے ساری دنیا کیلئے آپ رحمۃ العالمین ہیں۔ سب بھائی ترنم سے خوش الحانی کے ساتھ حضورﷺ کا نام آئے تو محبت سے ادائیگی کی جائے اور خیال بھی ہو حضورﷺ کے روضے کا یا جالیوں کا خیال یا یہ کہ رسول اللہﷺ سن رہے ہیں اور ہمارا جواب بھی آ رہا ہے دل کھول کر بیٹھیں گے جواب بھی آتا ہے حضورﷺ نے فرمایا کہ دنیا کے کسی کونے میں بندہ درود شریف پڑھے فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ یہ خیال رکھیں کہ ہمارا پروگرام ٹی وی پر Live براہ راست دیکھا جا رہا ہے حضورﷺ دیکھ رہے ہیں محفل میں پڑھ رہے ہیں تو محفل میں سمجھیں کہ نور کی بارش ہو رہی ہے اور حضورﷺ کی طرف سے فیض آ رہا ہے۔ اس کے بعد **لا الٰہ** کا ذکر کریں گے سر جھکا کر ناف کے نیچے سے شروع کریں کہ یہاں سے **لا الٰہ** اندر سے ہوتا ہوا دماغ کی چوٹی تک آ جائے جب الہ کہتا ہے تو سر دائیں طرف آ جائے جھک جائے اور پھر چند سیکنڈ رک جائیں اس وقت یہ خیال کریں کہ کوئی چیز موجود نہیں ہے ذہن میں کوئی تصور

کوئی صورت کوئی نقشہ باقی نہ رہے اب دل پر اللہ کی ضرب لگائی ہے دل چھاتی کے بائیں جانب ہے اس کی پان کے پتے جیسی شکل ہے اور اس کی ڈنڈی کی جگہ کانٹا نہ رکھ کر اس پر ضرب لگائی ہے الاللہ جب الاللہ کی ضرب لگائیں گے تو خیال کرنا ہے کہ صرف اللہ ہے یعنی تختی صاف ہوئی پھر اس پر سنہری حروف میں اللہ لکھا ہے اور اس سے روشنی نکل رہی ہے ساری دنیا میں وہی موجود ہے **الا اللہ** کی ضرب سے نور نکلا ہے جو اللہ کا ہے اور پوری دنیا میں وہی ہے۔ دو جگہوں پر ٹھہرنا ہے **لا الٰہ** کے بعد یہ نفی ہے صحیح نفی وہی ہوگی جب خیالات سے آدمی نکل جائے ایک دو سیکنڈ ٹھہرنا ہے تاکہ نفی پکی ہوجائے پھر ضرب لگائی ہے **الا اللہ** زور سے لگائی ہے قوت سے اور جھٹکے سے تاکہ مہر ثبت ہوجائے۔

حافظ عبدالکریم صاحب خادم حلقہ نے ذکر کرایا۔ بعد باباجی نے دعائے خیر اور مُلک کے استحکام وسلامتی وعافیت کی دعا فرمائی۔

سلسلہ کا تعارف

ذکر کے بعد باباجی نے سلسلہ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ توحیدیہ سلوک میں ذکر اذکار اور سلیبس مختصر سا ہے جو قرآن وسنت سے باہر نہیں ہے قبلہ انصاری صاحبؒ نے جب حلقہ کی بنیاد رکھی تو ان کے پیش نظر یہی بات تھی کہ سلسلہ کی تعلیم مختصر ہو۔ زمانہ بڑا مشغول ہوگیا ہے صبح سے لیکر رات تک لوگ روٹی کی فکر میں رہتے ہیں تعلیم ایسی ہو کہ اس زمانہ کا بندہ جسے شوق ہو تو با آسانی کرسکے پہلے بزرگ لمبے چوڑے وظائف بتاتے تھے جیسے حضرت قبلہ انصاری صاحبؒ کو ان کے مرشد نے روزانہ 10 ہزار مرتبہ پاس انفاس 5 ہزار مرتبہ نفی اثبات **لا الٰہ** کا ذکر بتایا 40 دفعہ **سورۃ یٰسین** کی تلاوت کی تلقین کی۔ ساری رات ذکر پورا نہ ہوتا تھا۔ انصاری صاحب کے پیش نظر یہ ساری باتیں تھیں کہ تعلیم مختصر سی ہو اس زمانہ کا نوجوان جو نوکری چاکری کر رہا ہے وہ آسانی سے کرسکے مشکل پیش نہ آئے۔ آپ کو نہ تو راتوں کو جگاتا ہے نہ چلے کٹاتے ہیں نہ قبرستان میں بٹھاتا ہے اور نہ ہی نہر میں کھڑا کرتا ہے۔ صرف 15/20 منٹ نفی اثبات خاص طریقے سے کرنا ہے جیسے مرشد نے طریقہ ذکر بتایا ہے۔ کوئی پابندی نہیں لگائی کہ سبز ٹوپیاں پہنتی ہیں پیری

فقیری والی وضع نہ منکے تسبیح ،مندریاں ،چولے چغے ۔سالک بس عام لباس پہنے ،پینٹ کوٹ پہنے ٹائی لگائے باباجی فرماتے ہیں سوٹ پہن کر نماز پڑھو گے تو زیادہ ثواب ہوگا کہ کافروں کے لباس کو اللہ کے آگے جھکاؤ گے۔اصل کام اللہ اللہ کرنا ہے تا کہ اسکے ساتھ تعلق قائم ہوجائے اور جہاں کہیں بھی ہو اللہ اسکے ساتھ رہے ۔نیا نیا حلقہ بنا تو سارے داڑھی مونڈھے تھے باباجی نے فرمایا کہ یہ حلقہ تو بنایا ہی ڈاڑھی مونڈوں کے لئے ہے کئی لوگ آتے اعتراض کرتے آپ کے حلقہ میں لوگ شریعت کے مطابق نہیں ۔اب تو خیر بہت داڑھی والے ہوگئے ہیں ۔ان داڑھی مونڈھوں کو نہ مولوی نزدیک آنے دیتے ہیں نہ پیر ۔کہتے ہیں کہ تیری شکل مسلمانوں والی نہیں نکل جا! ۔باباجیؒ کہتے ہیں کیا اس طبقہ کو ہدایت نہیں چاہیے ۔"ہر طبقہ کے لئے کوئی حادی ہے" (القرآن) ۔ میں ان کے لئے بنایا گیا ہوں اور میں بھی اسی طبقہ سے ہوں ۔باباجی قرآن کی آیت کی مصداق میں لوگوں کو حکمت کے ساتھ پیاری پیاری نصیحتوں سے پیار سے اللہ کی طرف راغب کرتے تھے کچھ ایسے مرید بھی تھے جو کہتے کہ ہم ایک نماز پڑھ سکتے ہیں باباجی فرماتے ٹھیک ہے ۔ایک ایسا مرید بھی آیا جس نے کہا کہ میں صرف ذکر کروں گا نماز مجھ سے نہیں پڑھی جاتی کیوں کہ اس نے ساری عمر نہیں پڑھی باباجی نے فرمایا کہ وضو ہی کرلیا کرو۔اس نے وعدہ کیا کہ چلو ٹھیک ہے وضو کرلیا کروں گا۔چھ ماہ تک وضو کرتا رہا خیال آیا کہ سب سے مشکل کام تو وضو والا ہے وردی ،جری ،بوٹ اتارنا لمبا کام ہے وضو کے بعد کیا رہ جاتا ہے بعد میں وہ پانچ وقت بلکہ تہجد گزار ہوگیا ۔چھوٹا سا ذکر ہے لیکن کرنے سے بڑا فائدہ ہوگا جب کوئی کام نہیں کرتے تو اللہ اللہ کرو بڑا مزہ آتا ہے انسان چارج رہتا ہے بڑی قوت رہتی ہے بڑا ریم رہتا ہے کام کاج میں اور دیگر عبادات میں تھکاوٹ نہیں ہوتی ۔اور جب ذکر چل پڑتا ہے تو اس کے اثرات خود بولتے ہیں۔

باباجیؒ فرماتے کہ ہمارے سلسلہ میں بیعت ہونے کیلئے پہلے کم از کم چھ ماہ ذکر سیکھے اور کرکے دیکھے فائدہ محسوس ہو جس کا اقرار وہ خود کرے کہ ٹھیک ہوگیا! دل کی سیاہی واقعی اتر گئی ہے پھر بیعت لی جائیگی ۔ اگر دل نہیں کھلتا دل موافق نہیں آتا تو جاؤ۔ باباجیؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ پیر ٹیسٹ کرتے ہیں میں مرید ٹیسٹ کرتا ہوں ۔کیا مرید کو سچی طلب ہے؟۔

آج آپ نے ذکر کیاتو جا کر نماز پڑھ کر سو جائیں انشاء اللہ رات کو بھی ضربیں لگیں گی فلم TV دیکھاتو رات کو فلم چلے گی جو دیکھے گا وہی چلے گا آخری کام نماز ہو اور صبح اٹھ کر پہلا کام بھی نماز ہو۔حضورﷺ نے منع فرمایا ہے کہ عشاء کے بعد مجلس نہ جمایا کرو عشاء کے بعد سو جاؤ عشاء سے پہلے سونے کو بھی منع کیا ہے اور عشاء کے بعد مجلس جمانے کو برا کہا ہے نماز پڑھ کر سیدھے بستر پر چلے جاؤ۔ جو اللہ کی یاد میں سوئے تو ان کا سونا بھی اچھا۔ جو اللہ کی یاد میں سو گئے تو سوتے میں انکے روحانی مقام طے ہوجاتے ہیں۔ ہر وقت اللہ کی یاد میں کروٹ بدلیں دل اللہ اللہ کرتا رہتا ہے۔

نفس میں عاجزی پیدا کرنے کیلئے پہلے بزرگ فقیر بناتے جھاڑو دلواتے نالیاں صاف کرواتے پانی پلواتے بھیک منگواتے تا کہ اکڑ نکل جاوے بندہ بن جائے مقصد عاجزی پیدا ہو جاوے بابا جیؒ نے فرمایا کہ اب ایسے کام کون کرے گا پڑھے لکھے لوگ ہیں آپ کے سارے مرید PAF کے ملازم تھے جیسا زمانہ ہوتا ہے ویسی تعلیم ہوتی ہے ذکر مختصر کر دیا **لا الہ** کا ذکر بتایا ہے 15/20 منٹ سے زیادہ نہ کریں مجھے تجربہ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ اس سے زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ جبکہ پاس انفاس خوب کرو جب کوئی کام نہیں کر رہے تو پاس انفاس کرو بھول جائے تو کوئی بات نہیں کمپیوٹر پر بیٹھے ہیں Culculation کر رہے ہیں، گاہک آ گیا ہے باتیں کر رہے ہیں ذکر نہ کریں کوئی بات نہیں۔ جب چلے جائیں پھر ذکر شروع کر دیں آدمی جب مشق کرتا ہے تو اس پر اللہ کی رحمت ہو جاتی ہے پھر بات کرتے ہوئے بھی اللہ کا ذکر جاری ہوجاتا ہے باتیں بھی کرتا ذکر بھی جاری رہتا ہے بھگت کبیر نے کہا ہے کہ:

کبیرا فقیری سیکھنی ہے تو پنہارن سے سیکھ
بات کرے سکھیوں سے مگر دھیان گاگر کے بیچ

سہیلیاں پانی کی گاگریں اٹھائے باتیں کرتی جاتی ہیں مذاق بھی کرتی جا رہی ہوتی ہیں مگر ان کا دھیان گاگر میں ہی ہوتا ہے دھیان ادھر ادھر ہو جائے تو گاگر گر جائے گی جنھوں نے پانی بھرا ہوتا ہے وہ آرام آرام سے چلتی ہیں کہیں گر نہ جائے وہ پانی کی خاطر یہ کر سکتی ہیں تو تم اللہ تعالی کی خاطر یہ کام نہیں کر سکتے گاہک کو سودا بھی بیچیں مگر دھیان اللہ کی طرف رہے "ہتھ کار ول، دل یار

دل "ذکر میں اللہ کی رحمت ہوتی ہے وہ اللہ سانس نہیں لینے دیتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خود نہیں جانے دیتا کہ میرے پاس آکر پھر جاتے کہاں ہو! پیار کیلئے انسان کو پیدا کیا ہے پیار پاکر اب جاتے کہاں ہو وہ نہیں بھولنے دیتا ہے۔

تو ستا رب جاگدا ڈھاڈھے نال پریت
اٹھ فریدا تو ستیاں جھاڑو دے مسیت

مسیت کا مطلب اللہ کا گھر یعنی انسان کا دل جس کو صاف کرنا ہے حضورﷺ نے دل کی صفائی کیلئے ذکر بتایا ہے۔

جن بزرگوں کو شجرہ میں دعائیہ طور پر یاد کیا جاتا ہے یا ایصال ثواب بھیجا جاتا ہے وہ بھی یاد کرتے ہیں اور نور (فیض) کی ایک لائٹ بھیجتے ہیں جس سے دل اور روح روشن ہو جاتے ہیں۔ حضورﷺ کی صحبت میں بیٹھنے والے بھی صحابہ بن گئے۔ ان کے درجہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا علامہ اقبال نے کہا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت سے گرہیں کھلتی ہیں بلکہ بغیر بات کیے بھی عقدے خود بخود حل ہوتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی لکھا ہے کہ جب مجھے مشکل پیش آتی تو بزرگوں کے مزار پر جاتا وہاں بیٹھتا تو روحانی مشکل حل ہو جاتی تھی ایک دفعہ وہاں مسئلہ حل نہ ہوا تو دوسری جگہ خانقاہ چلا گیا وہاں ملنگ موجود تھے وہ روائتی انداز کا لباس (گدڑیاں) پہنے ہوئے تھے میں نے ان جیسا لباس نہیں پہنا ہوا تھا اور نہ ہی میں ان میں سے تھا ان کیلئے بہترین کھانا آیا جو انہوں نے خوب کھایا اور مجھے دال روٹی دیدی خود تو وہ پلاؤ کھا رہے تھے جس کی مجھے خوشبو آرہی تھی میرا نفس شرارتیں کر رہا تھا میں نے نفس کو سمجھایا کہ تو فقیر ہے آرام سے بیٹھ صبر کئے رکھ۔ ان میں سے ایک نے خربوزے کھائے اور چھلکے میری طرف پھینک دیئے ملنگ اپنی ترنگ میں آیا ہوا تھا خربوزہ کھا کر چھلکا میری طرف پھینکتا تھا میرے سر پر چھلکے پڑنے سے بڑی ذلت ہوئی جب میں نے اللہ کیلئے برداشت کیا تو میرا روحانی مسئلہ حل ہو گیا حضرت مولانا رومؒ اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں کہ اسباب کو نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ اس کے پیچھے مسبب الاسباب اللہ کو دیکھنا چاہیے جیسے ڈاکیا منی آرڈر لیکر آتا ہے اصل میں اس کو بھیجنے والا اور ہوتا ہے مزید فرماتے ہیں کہ آپ سے تو کتا زیادہ

سمجھدار ہے اس کو پتھر مارو وہ اس پتھر کو نہیں کاٹتا بلکہ دیکھتا ہے کس نے مارا ہے پتھر مارنے والے کو پکڑتا ہے خواجہ معین الدینؒ نے لکھا ہے کہ فقیری یہ نہیں ہے کہ کپڑا کم پہنا جائے روٹی نہ کھائی جائے کہیں بیٹھ رہے بلکہ لباس پہنے نہ طمع کرے نہ جمع کرے خود بخود آ جائے تو اسے منع نہ کرے سمجھے اللہ ہی بھیج رہا ہے۔

غصہ کو نفی کر دو۔ گھر میں اگر بچے سے پلیٹ ٹوٹ جائے یا کوئی نقصان ہو جائے تو اسے مار مار کر فنا کر دیا جاتا ہے ایسا ہرگز نہیں کرنا اس پر کنٹرول کر لیا تو سمجھ لو آدھی فقیری طے ہو گئی۔ آدھا سلوک طے ہو جاتا ہے۔ آپ کو باہر تبلیغ کیلئے نہیں جانا پڑے گا۔ سارا زور گھر میں نکلتا ہے گھر میں ہر آدمی بادشاہ ہوتا ہے۔ باہر چاہے کوئی نہ پوچھے گھر میں میاں پنج ہزاری۔ غصہ کو زیر و پر لانا ہے۔ حضورﷺ سے ایک صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول مجھے کوئی نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔ پھر کہا کہ غصہ نہ کیا کرو۔ چار دفعہ پوچھا یہی جواب ملا غصہ کو نکال باہر پھینکو۔ اسی طرح حضورﷺ نے پوچھا پہلوان کسے کہتے ہیں صحابہ نے فرمایا جو مضبوط ہو۔ چت کر دے اسے پہلوان کہتے ہیں تو آپﷺ نے فرمایا وہ پہلوان نہیں جو دوسرو کو گرا دے بلکہ پہلوان تو وہ ہے جو اپنے غصے کو پی جائے یعنی کنٹرول کر لے۔ انصاری صاحبؒ کے اولین مریدین میں سے غیور احمد انصاری بڑے اچھے پیر بھائی تھے۔ آپ کو انصاری صاحب نے کہا کہ غیور مجھے شکایت ملی ہے کہ تم میں بہت غصہ ہے غیور احمد نے جواب میں کہا کہ میں تو غصہ نہیں کرتا باباجی نے پھر فرمایا کہ مجھے تم میں بہت غصہ نظر آتا ہے۔ غیور احمد نے کہا بالکل نہیں مجھے غصہ آتا ہی نہیں ہے۔ میں تو پریم والا بندہ ہوں انصاری صاحب نے بار بار کہا کہ نہیں تم تو غصہ کرتے ہو۔ جس پر غیور احمد نے جوش میں جواب دیا کہ میں نے کہا نا میں غصہ نہیں کرتا تو باباجی نے فرمایا کہ یہی تو غصہ ہے۔ غصہ کے علاج کے طور پر ان کی بیوی کو کہا کہ بچوں کے میلے کپڑے اس کے لئے رکھ دینا جب غیور دفتر سے واپس آئے تو اس سے دھلوانا اس کی ایسی تیسی اور رپورٹ مجھے دیتے رہنا۔ اسی طرح ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ مظہر جان جاناںؒ گزرے ہیں جو بڑے حلیم طبع ، نرم مزاج تھے لیکن انکی بیوی بڑی لڑاکی تھی وہ فرماتے تھے کہ

مجھے کشفاً معلوم ہوا تھا اس سے شادی کرنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے اگر یہ میری بیوی نہ ہوتی تو میں آسمان کی طرف اُڑ جاتا (مغرور) ہو جاتا تو یہ مجھے نیچے کھینچ کر زمین پر رکھتی ہے۔اصل مردانگی ہی تکالیف کو برداشت کرنا ہے۔

ممتاز مفتی کی کتاب تلاش میں لکھا ہے کہ قدرت اللہ شہاب نے کہا مفتی! جنت چاہیے انہوں نے کہا نہیں مجھے نہیں چاہیے ایسی جنت جہاں دودھ اور شہد پیتے رہیں لیٹ جائیں کام نکار ایسی بے کاروں والی جنت مجھے نہیں چاہیے۔انہوں نے کہا میں اسکی بات نہیں کر رہا، میں تو دنیا کی جنت کی بات کر رہا ہوں وہ کیسے؟ تو انھوں فرمایا کہ بیوی جو بات کرے تو جواب میں آپ نے کہنا ہے" اچھا۔بہت اچھا۔

Very Good. اللہ بھلا کرے اسکا جب سے نقطہ بتایا ہے اس وقت سے ہماری زندگی جنت بن گئی ہے اب موج ہوگئی۔

باباجی نے فرمایا غصہ نفرت نکال دو۔اسکی مخلوق سے بھی پیار کرو۔

حقوق العباد کی ادائیگی کرتے رہو۔علماء بھی کہتے ہیں کہ حقوق العباد معاف نہیں ہونگے ان کو ضرور ادا کرنا پڑے گا یہاں دنیا میں حقوق کی ادائیگی کردی جائے۔اگر کسی کا مال مارا ہو۔واپس کرو۔تا کہ آخرت میں کوئی Claimant (دعویدار) نہ ہو۔نیکیاں اگر کم بھی ہوں گی تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیگا۔لیکن حقوق العباد کا سخت معاملہ ہے۔

تسلیم و رضا: سدا خوش رہیں اسکی رضا پر راضی رہیں۔کام خوب کریں رزلٹ جو بھی ہو اس پہ خوش رہیں پریشان نہ ہوں حضرت رابعہ بصریہ عورتوں میں مشہور بزرگ گزری ہیں وہ کہتی ہیں جس سے بھی پوچھا خواہ فقیر ہو یا مولوی سب کہتے ہیں اللہ ہم سے راضی ہو جا اللہ خوش ہو جائے لیکن مجھے تعجب ہے یہ خود اللہ سے راضی نہیں۔اللہ نے ہم سے ایسا کیوں کیا۔ویسا کیوں کیا۔باباجی نے واصف علی واصف کا قول جو ڈائیو۔کے ویٹنگ روم کے باہر کھمبے پر لکھا ہو تھا سنایا کہ غم تمہاری خواہشات اور اللہ کی رضا میں تضاد کا نتیجہ ہے۔اگر تضاد نہ ہو تو غم کیسا !جو اللہ نے کیا ٹھیک کیا تو غم کیسا! باباجیؒ نے کہا کہ اللہ اگر صحت دے پیسہ دے تندرستی دے تب تو وہ اللہ

اورتم بندے۔جب خلاف ہوجائے تو کون خدا کون بندہ۔باباجیؒ نے فرمایا اس کا مطلب ہے تم اللہ کی مرضی کے مطابق چلنا نہیں چاہتے تم اسکو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتے ہو۔

باباجیؒ نے فرمایا ایک پڑھی لکھی لڑکی جو ہمارے سلسلہ سے متعارف ہے۔

اس نے Massage کیا کہ

i) Smooth Roads never make Good Drivers.

ii) Smooth Sea never make good Sailer

iii) Fair weather never make good Pilot.

زندگی کی آسائشیں مت طلب کرو مشکل زندگی کی خواہش کرو مشکل زندگی آئے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے اندر جذبہ ہمت عزم پیدا کرو۔یہ نہ کرو why me میرے اوپر کیوں مصیبتیں آتی ہیں۔ Don't say why me بلکہ Say Try me مجھے ٹرائی کریں۔مجھ میں ہمت وعزم اور جذبہ ہے۔مجھے آزماؤ۔باباجیؒ نے تعمیر ملت کے شروع صفحہ میں لکھا ہے کہ

جستجو قوم کو ہے ایسے مسلمانوں کی
جن کو ملتا ہو سکوں کود میں طوفانوں کی

اسی پر جمعہ کی محفل اختتام پذیر ہوئی ۔اگلے روز ہفتہ کو باباجیؒ محمد یعقوب خان صاحب کے ساتھ حافظ عبدالکریم خادم حلقہ کی دعوت پران کے گھر تشریف لے گئے اور خواتین سے باباجیؒ نے اور مرد حضرات سے محمد یعقوب خان صاحب نے گفتگو فرمائی۔مختصر محفل نعت منعقد کی گئی۔

شام کو باباجیؒ نے اپنے مریدین کے ساتھ فیصل خان کی شادی شنگریلا ہوٹل بوسن روڈ ملتان میں شرکت کی۔

حضرت عمروؓ بن مُرّہ جُھنی

(طالب الہاشمی)

بعد بعثت کے ابتدائی زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک اعرابی سرورِ عالمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یوں عرض پیرا ہوئے۔

''اے ابنِ عبدالمطلب میں پچھلے حج کے موقعہ پر مکہ آیا تو یہاں ایک عجیب خواب دیکھا۔ سوتے ہوئے مجھے یوں نظر آیا کہ ایک نور کعبہ سے نکل کر یثرب کی پہاڑیوں تک جا پہنچا اور قبیلہ جُہینہ کو ڈھانپ لیا ہے۔ پھر میں نے اس نور میں سے ایک آواز سنی کہ ظلمت کے بادل چھٹ گئے اُجالا پھیل گیا، آخری نبی تشریف لے آئے۔ اِس کے بعد ایک تیز روشنی برآمد ہوئی جس میں حیرہ کا محل اور مدائن کے قصر ہائے ابیض دکھائی دینے لگے اِس وقت میرے کان میں یہ آواز آئی کہ اسلام آگیا، بُت ٹوٹ گئے اور صلہ رحمی کا دور دورہ ہوا۔

یہ خواب دیکھ کر مجھ پر وحشت طاری ہوئی اور میں نے اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے جو میرے ساتھ حج کیلئے مکہ آئے تھے، خواب کا ماجرا بیان کیا، وہ بھی بہت حیران ہوئے۔ جب حج سے فارغ ہو کر ہم اپنے قبیلے میں واپس گئے تو ہم نے سنا کہ آپ لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے ہیں اور بُت پرستی سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اب میں آپ کی خدمت میں یہ معلوم کرنے کیلئے آیا ہوں کہ آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں''۔

حضورﷺ نے اعرابی کی باتیں بڑی توجہ سے سنیں اور پھر فرمایا۔

''بھائی! میں نبی مرسل ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمام بندگانِ خدا کو اسلام کی طرف بلاؤں۔ بت پرستی ترک کرنے کی تلقین کروں اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور صلہ رحمی کا حکم دوں۔ جو کوئی اِس دعوت کو قبول کرے گا وہ جنت کا حقدار ہوگا اور جو اِس کو رد کرے گا اِس کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔ تم میری دعوت کو قبول کر لو تو دوزخ کی آگ سے محفوظ رہو گے''۔

حضورﷺ کا ارشاد سن کر اعرابی نے بلا تامل عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور جو دعوت آپ دیتے ہیں صدقِ دل سے قبول کرتا ہوں اگرچہ عرب کے درو دیوار سے اِس کی مخالفت ہو رہی ہو''۔

یہ اعرابی جنہوں نے اِس وقت لوائے توحید کو تھاما جب ایسا کرنا تلوار کی دھار پر چلنے کے

مترادف تھا،حضرت عمروؓ بن مرہ جُہنی تھے۔

حضرت ابومریم عمروؓ بن مُرہ کا تعلق بنی جہینہ سے تھا۔نسب نامہ یہ ہے۔عمروؓ بن مُرہ بن عبس بن مالک بن حارث بن مازن بن سعد بن مالک بن رفاعہ بن نصر بن مالک بن غطفان بن قیس بن جہینہ۔

حضرت عمروؓ کا شمار اپنے قبیلے کے عمائد میں ہوتا تھا اور لوگ ان کو بہت مانتے تھے۔شعر گوئی کا نہایت پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تو حضورﷺ کے سامنے یہ اشعار پڑھے۔

شھدت بان اللّٰہ حق

لاالھة الا حجار اول تارک

وانی فشمرتُ عن ساق الازار مھاجر

الیک ادب الغور بعد الدکادک

لا صحب خیر الناس نفسا ووالدا

رسول ملیک الناس فسوق الحبائک

(ترجمہ) میں اِس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ حق ہے اور میں پتھروں کے معبودوں کو سب سے پہلے پس پشت ڈالنے والا ہوں میں نے پوری سرگرمی کے ساتھ آپ کی طرف ہجرت کی ہے(یا میں نے ہجرت کے ارادہ سے تہبند پنڈلیوں سے اوپر چڑھالیا ہے(میں دشوار گزار راستوں سے آپ کی طرف چل رہا ہوں تا کہ اِس ذاتِ گرامی کا شرفِ صحبت حاصل کروں، جو بذاتِ خود بھی اور خاندانی حیثیت سے بھی تمام لوگوں میں بہترین ہے،زمین اور آسمان کے مالک کے رسولﷺ کا جو تمام نیکیوں سے اعلیٰ و برتر ہے۔

یہ اشعار سن کر سرورِ عالمﷺ کے روئے انور پر بشاشت پھیل گئی اور آپؐ نے فرمایا:"اے عمرو! تمہیں مبارک ہو(یا شاباش اے عمرو)"حضرت عمروؓ نے عرض کیا:"یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ مجھے اپنی قوم میں جا کر تبلیغ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیے شاید اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے ان پر احسان کرے،جس طرح اِس نے آپ کے طفیل مجھ پر احسان کیا"۔

حضورﷺ نے فرمایا: "ہاں تم اپنی قوم کو ہدایت کی دعوت دے سکتے ہو"۔

حضرت عمروؓ حضورﷺ کا ارشاد سن کر بہت خوش ہوئے۔ جب حضورﷺ رخصت ہونے لگے تو آپؐ نے فرمایا: "عمروؓ میری چند باتیں یاد رکھنا اور ہر حال میں ان پر عمل کرنا وہ باتیں یہ ہیں کہ ہمیشہ نرمی سے کام لینا، سختی نہ کرنا، کسی سے حسد نہ کرنا، خود پسندی اور تکبر سے باز رہنا، اپنی گفتگو میں تلخی اور ترش روئی سے کام نہ لینا"۔

حضرت عمروؓ نے حضورﷺ کے ارشادات پر عمل کرنے کا عہد کیا اور اپنی قوم کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت عمروؓ اپنے قبیلے میں پہنچے تو سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ جس بُت کی پرستش کیا کرتے تھے اس کو توڑ ڈالا پھر انہوں نے سب لوگوں کو جمع کیا اور ان سے یوں خطاب کیا۔

"اے بنو رُفاعہ، اے بنو جُہینہ میں تمہارے پاس اللہ کے رسول کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں اور تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی تلقین کرتا ہوں کہ قتل و غارت اور خونریزی کو چھوڑ دو، آپس میں صلہ رحمی کرو، خدائے واحد کی عبادت کرو اور بتوں کو چھوڑ دو، جو میری دعوت پر لبیک کہے گا اس کیلئے جنت ہے اور جو کوئی اس سے روگردانی کرے گا اس کیلئے جہنم ہے۔ اے میرے جہنی بھائیو! قبائل عرب میں اب بھی تمہاری ایک امتیازی شان ہے۔ دوسرے لوگوں میں رواج ہے کہ دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھ لیتے ہیں اور باپ کے مرنے کے بعد بیٹا سوتیلی ماں سے شادی کر لیتا ہے لیکن تم نے ہمیشہ ان باتوں کو مکروہ جانا۔ اب تم اللہ کے سچے رسولؐ کا اتباع کر لو تو دنیا اور آخرت کی بھلائیاں تمہارے حصے میں آئیں گی"۔

حضرت عمروؓ کی باتوں میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ ایک شخص کے سوا سارا قبیلہ چند دن کے اندر اندر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گیا۔ یہ شخص بڑا سیاہ باطن اور شقی القلب تھا۔ حضرت عمروؓ سے کہا کرتا تھا۔

"اے عمرو بن مُرہ، تیری زندگی تلخ ہو جائے کیا تو ہمیں اپنے معبودوں کو چھوڑنے کی تلقین کرتا ہے۔ کیا تیرا ارادہ ہے کہ ہم پارہ پارہ ہو جائیں، کیا تو چاہتا ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کریں۔ یہ تہامہ کا رہنے والا قریشی (محمدﷺ) ہمیں کس بات کی طرف بلاتا ہے جس میں نہ کوئی کرامت ہے نہ کوئی شرافت"۔

بعض اہل سیر نے اِس شخص سے یہ اشعار منسوب کیے ہیں۔

ان بـن مـرـة قـداتـى بـمـقـالة
لیـسـت مـقـالة مـن یـریـد صـلاحـا
انـى لا حـسـب قـولـه و فـعـالـه
یـومـا وان طـال الـزمـان زبـاحـا
لیـسـفـه الا شـیـاخ مـمـن قد مضـى
مـن رام ذلـک لا اصـاب فـلاحـا

(ترجمہ) "عمرو بن مُرہ وہ بات لے کر آیا ہے جو صلاح پسند لوگوں جیسی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ عمرو بن مُرہ کا قول و فعل ایک دن غلط ثابت ہوگا اگر چہ اِس میں کچھ دیر ہو جائے۔
وہ ہمارے گزرے ہوئے بزرگوں کو بیوقوف ثابت کرنا چاہتا ہے اور جس خلف کا ارادہ ایسا ہو وہ کبھی بھلائی کا منہ نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت عمرؓو بن مُرہ اس نابکار کے جواب میں فرماتے تھے۔
"ہم میں سے جو جھوٹا ہو خدا اِس کے عیش کو تلخ اس کی آنکھوں کو آندھا اور اسکی زبان کو گونگا کردے"۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی "تاریخ" میں خود حضرت عمرؓو بن مُرہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ خدا کی قسم یہ شخص اس وقت تک نہ مرا جب تک وہ گونگا بہرا اور اندھا نہ ہو گیا اور اس کا منہ گل کر گر نہ پڑا۔ یہ اِس کیلئے مصیبت تھی جس نے اِس کو کھانا کھانے سے بھی محروم کر دیا تھا۔

کچھ مُدت کے بعد حضرت عمرؓو بن مُرہ اپنے قبیلے کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے انہیں زندگی میں برکت اور رزق میں کشائش کی دُعا دی اور ان کیلئے ایک فرمان لکھ دیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"اے مسلمانانِ جُہینہ، تمہارے لیے جہینہ کی ساری زمین ہے نرم اور پتھریلی، چشمے اور وادیاں۔ تم جہاں چاہو اپنے جانوروں کو چراؤ اور جہاں پانی پاؤ اپنے استعمال میں لاؤ۔ بشرطیکہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ دیتے رہو اور پانچوں وقت کی نمازیں ادا کرتے رہو اور بھیڑ بکریوں کے دو ریوڑ یکجا ہوں (یعنی ایک سوبیس بکریاں ہوں) تو دو بکریاں نکالی جائیں گی اور اگر ایک

ایک ریوڑ ہو تو چالیس میں سے ایک بکری نکالی جائے گی۔کھیتی میں کام آنے والے بیلوں پر کوئی صدقہ نہیں اور نہ کسی کنوئیں سے زمین کو پانی دینے والی اُونٹنیوں پر"اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اِس وقت لکھا گیا جب حضورﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تھے اور اسلام ایک غالب قوت کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمروؓ بن مُرہ کے قبول اسلام کا صحیح زمانہ کیا تھا۔علامہ ابن اثیرؒ نے ''اُسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ انہوں نے ہجرت نبویؐ سے پہلے مکہ آ کر اس وقت سعادتِ ایمانی حاصل کی جب مشرکین نے اسلام کی مخالفت میں طوفان برپا کر رکھا تھا۔لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ''اِصابہ'' میں یہ بیان کیا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمروؓ بن مُرہ نے سیدنا حضرت مُعاذؓ بن جبل سے قرآن کی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد اپنے قبیلہ میں واپس جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔اِن کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں سارا قبیلہ چند دن کے اندر اندر سعادت اندوزِ اسلام ہو گیا۔اگر حافظ ابن حجرؒ کی روایت کو درست مانا جائے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن مُرہ نے ہجرت نبویؐ کے بعد مدینہ آ کر اسلام قبول کیا۔اِن دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ حضرت عمروؓ بن مُرہ نے ہجرت نبوی سے پہلے مکہ آ کر اسلام قبول کیا اور اپنے وطن واپس چلے گئے۔ہجرت نبویؐ کے بعد وہ دوبارہ حضورﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے،حضرت مُعاذؓ بن جبل سے قرآن کی تعلیم حاصل کی اور پھر اپنے قبیلے میں واپس جا کر اسے بھی مشرف بہ اسلام کیا۔اِس کے بعد اپنے اہل قبیلہ کو ساتھ لے جا کر اسے بھی مشرف بہ اسلام کیا۔اِس کے بعد اپنے اہل قبیلہ کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور محولہ بالا فرمان وثیقہ حاصل کیا۔

ارباب سیر نے حضرت عمروؓ بن مُرہ کے قبول اسلام کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن انہوں نے عہد رسالت میں حضرت عمروؓ بن مُرہ کی دوسری سرگرمی کا ذکر نہیں کیا۔البتہ "طبقات الکبیر'' میں علامہ ابن سعدؒ کاتب الواقدی نے اتنا ضرور لکھا ہے کہ عمروؓ بن مُرہ کو جہاد فی سبیل اللہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔اِس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمروؓ بن مُرہ بعض غزوات میں ضرور شریک ہوئے ہوں گے۔مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ نے اپنی کتاب "بذل القوۃ'' میں لکھا ہے کہ حضورﷺ نے ۷ ہجری میں ایک مہم حضرت عمروؓ بن مُرہ کی قیادت میں اپنے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کی طرف بھیجی۔وہ قبیلہ جُہینہ اور مزینہ کے چند رفقاء

کے ساتھ اِس مہم پر گئے اور مخالف فریق کو شکست دے کر واپس آئے۔(ابوسفیان فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہو گئے)حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں شام فتح ہوا تو بہت سے صحابہ کرامؓ نے شام میں مستقل سکونت اختیار کر لی ان میں حضرت عمروؓ بن مُرہ بھی شامل تھے۔ شام میں اِن کی زندگی کے لیل ونہار لوگوں کو قرآن وسنت اور اوامر ونواہی کی تعلیم دینے میں گزرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں قلب گداز عطا کیا تھا،مخلوقِ خدا کی خدمت اور خیر خواہی کو اپنا جزوایمان سمجھتے تھے۔حافظ ابن حجرؒ نے ''اِصابہ'' میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے امیر معاویہؓ کے پاس جا کر یہ حدیث بیان کی کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ جو امام (حاکم) محتاجوں، دوستوں اور حاجت مندوں کیلئے اپنا دروازہ بند کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اِس کی حاجتوں اور دُعاؤں کیلئے آسمان کے دروازے بند کر دے گا۔

امیر معاویہؓ نے یہ حدیث بڑے غور سے سنی اور اسی وقت ایک خاص افسر اس کام کیلئے مقرر کر دیا کہ وہ لوگوں کی حاجتیں اور ضرورتیں معلوم کرے اور انہیں پورا کرے۔

حضرت عمروؓ بن مُرہ نے طویل عمر پائی اور اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں کسی وقت سفر آخرت اختیار کیا۔

حضرت عمروؓ بن مُرہ کے صحیفہ اخلاق میں اخلاص فی الدین کا پہلو سب سے نمایاں ہے۔ اپنے اشعار میں بڑے جوش وخروش سے اسلام پر فخر کا اظہار کیا کرتے تھے۔

اِس کا نمونہ یہ شعر ہیں!

انی شرعت الان فی حوض التقی

وخرجت من عقد الحیاۃ سلیما

ولبست اثواب الحلیم فاصبحت

اُم الغوایۃ من ھویٰ عقیما

یعنی میں تقویٰ کے حوض میں تیرا اور زندگی کی مشکلات سے صحیح سالم نکل آیا۔میں نے حلیم کا لباس پہن لیا اور گمراہیوں کی ماں میری خواہش سے نا امید ہو گئی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

آہ! خواجہ غلام محمد توحیدی (جی ایم)

پیر خان توحیدی

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

24 اکتوبر 2011ء مغرب کی نماز کے تھوڑی دیر بعد خواجہ ولی محمد توحیدی کے صاحبزادے خواجہ عمران ولی توحیدی نے فون پر بھرائی ہوئی آواز میں بتایا کہ جی ایم کو ہارٹ اٹیک ہو گیا ہے اور اُسے ہسپتال لے گئے ہیں۔ میں نے تفصیل جاننی چاہی مگر وہ اس سے آگے کچھ نہ بتا سکا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فون دوبارہ بجنے لگا اب کی بار مسز عمران بول رہی تھیں انہوں نے بتایا کہ جی ایم فوت ہو گئے ہیں۔ یہ خبر کیا تھی جیسے بجلی گر پڑی ہو تھوڑی دیر بعد مجھ پر بھی سکتہ طاری ہو گیا۔ جی ایم کا ہنستا اور کھلتا ہوا چہرہ میری آنکھوں میں گھوم گیا اگرچہ مجھے اس خبر پر یقین نہ آیا تھا تاہم جی ایم کے گھر پہنچ کا ماننا پڑا کہ واقعی جی ایم اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔

بچھڑا کچھ اِس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

دنیا سے جانے والے تو امر ربی کے مطابق کوچ کر جاتے ہیں۔ ان سے روحانی اور قلبی تعلق رکھنے والوں کو محض یادوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اللہ نے انسان کا دل بھی عجب شے بنایا ہے کہ اس میں بہت کچھ سما جاتا ہے۔ اپنے پیاروں کی جدائی برداشت کرنا اور ان کو اپنے سامنے منوں مٹی تلے دفن کرنا یہ سب کچھ خدا کی رضا سمجھ کر سہنا پڑتا ہے۔ پھر اس کے سوا انسان کر بھی کیا سکتا ہے۔ صبر ہی ایسے صدمات اور دکھوں کا واحد علاج ہے۔

خواجہ غلام محمد (جی ایم) کشمیر کی میر فیملی سے تعلق رکھتے تھے دسمبر 1971ء آزاد کشمیر کے ضلع باغ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہاں ہی حاصل کی جی ایم اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ جی ایم کے والد کاروبار کے سلسلہ میں راولپنڈی آ گئے جہاں ان کے مراسم خواجہ ولی محمد صاحب سے بڑھنے لگے تو دونوں نے صرافہ بازار میں کام کرنا شروع کر دیا۔ جی ایم کے والد پنڈی کے محلّہ چاہ سلطان میں رہائش پذیر ہو گئے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد وہ جی ایم کو بھی راولپنڈی لے آئے اور کام سیکھنے کیلئے جی ایم کو ایک اُستاد کے پاس بٹھا دیا۔ G.M نے سونے

کے زیورات پر ڈیکوریشن اور انگوٹھیوں پر ہر کاش (نقش و نگار) کا کام سیکھا اور اس میں خوب مہارت حاصل کی۔

1990ء میں G.M کی شادی خواجہ ولی محمد صاحب کی صاحبزادی سے انجام پائی خواجہ صاحب کی بیٹی صورت و سیرت کے ساتھ ساتھ پڑھی لکھی خاتون تھیں جسکی وجہ سے انہوں نے خاندان میں اپنے افکار و کردار سے بہت جلد عزت و احترام کا مقام پیدا کر لیا۔ سب چھوٹے بڑے ان کی عزت کرتے اور ان سے محبت کرتے۔

جی۔ایم کا سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شامل ہونا۔

خواجہ ولی محمد صاحب کے ہاں ذکر کا پروگرام عرصہ دراز سے چلا آتا ہے یہ حلقہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ نے خود ولی محمد صاحب کے گھر قائم کیا تھا۔ شادی کے بعد G.M صاحب کا خواجہ ولی محمد کے گھر آنا جانا ہوا تو خواجہ صاحب نے جی ایم کو بھی ذکر میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ اس طرح جی ایم صاحب کا ذکر کی محفل میں بھی آنا جانا ہونے لگا۔ بابا جی قبلہ ڈار صاحب جب بھی پنڈی آتے تو G.M سارے کام چھوڑ کر بابا جی کی خدمت میں لگ جاتے۔ باباجی بھی GM سے خوب پیار کرتے اور ڈھیروں دُعائیں دیتے۔ GM حلقہ کے بھائیوں سے بھی گھل مل گئے اور ان کی دل و جان سے خدمت کرتے اور ان کیلئے اپنے ہاتھوں سے کھانا تیار کرتے۔ شاید یہ باباجی کی دُعاؤں کا اثر تھا کہ G.M 2002 میں باباجی کے ہاتھ پر بیعت کر کے باقاعدہ طور پر سلسلہ سے منسلک ہو گئے۔ ان کے آنے سے حلقہ کے بھائیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ GM صاحب من و عن سلسلہ کی تعلیم پر عمل کرنے لگے۔ باقاعدگی سے ذکر میں حاضری دیتے بھائیوں سے پیار کرتے اور کبھی کبھی حلقہ کراتے جس سے سارے بھائی لطف اندوز ہوتے۔ سلسلہ میں شامل ہونے اور تعلیمات پر عمل کرنے سے جی ایم کے اخلاق و کردار میں نکھار آنے لگا اور روحانیات کی بلندیوں پر پرواز کرنے لگے۔ GM ہر سالانہ اجتماع پر باقاعدگی سے مرکز تعمیر ملت کو جرانوالہ حاضری دیتے اس کے علاوہ سال میں ایک دوبار باباجی سے فیض حاصل کرنے کیلئے آستانہ پر جاتے اور ایک معقول رقم حلقہ فنڈ میں باقاعدگی سے جمع کراتے۔

اللہ تعالٰی نے ان کے کاروبار میں برکت ڈالی تو انہوں نے چوڑیوں کا ایک چھوٹا سا کارخانہ لگا دیا جہاں پر چار پانچ دوسرے لوگوں کو بھی روزی کمانے کا موقع مل گیا۔ گزشتہ سال جی ایم کو حج کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ دیارِ حبیب کی حاضری کے بعد جب وہ واپس آئے تو انہوں نے کھجوروں، زم زم، ٹوپیوں اور رومالوں کے تحائف کے ساتھ ساتھ ایک بہت قیمتی تحفہ بھی ساتھ

لے کر آئے اور وہ نورانی کریم ﷺ کی سنت کا تحفہ جواُن کے چہرے پر بہت خوبصورت اور دلکش دیکھائی دیتا تھا۔جی ایم کا حسن سلوک اپنے نوکروں، کاریگروں اور گاہکوں سے مثالی تھا انہوں نے کبھی بھی اپنے کاریگروں کو نہ جھڑکا اور نہ غصہ کیا۔حلقہ کے بھائیوں کو بھی جی ایم سے دلی لگاؤ تھا۔جی ایم کے بھائی، بہنیں اور خاندان کے دیگر لوگ بھی ان کی عزت کرتے۔جی ایم کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ ان کے والد اور سُسر دونوں توحیدی ہیں۔جی ایم غریبوں، مسکینوں محتاجوں اور مصیبت زدوں کی خوب خدمت کرتے اللہ کے ولیوں سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ہر سال کشمیر کے مشہور بزرگ اور عالم دین حاجی پیر کے مزار پر درہ حاجی پیر حاضری دیتے۔جی ایم نے چار پانچ ماہ سے کاروبار میں مزید وسعت پیدا کرنے کی خاطر صرافہ بازار میں ایک مارکیٹ بنانے کا کام شروع کیا ہوا تھا۔آدھا کام تقریباً ہو چکا تھا اور آدھے پر کام جاری تھا۔24 اکتوبر 2011 کو دوسری منزل کا چھت رات کو ڈالنا تھا۔جی ایم عصر کی نماز پڑھ کر ٹھیکیدار سے مشورہ کرنے کے بعد اوپر چھت پر آ بیٹھے۔GM کے کاریگر اور ایک دوست بھی آپ کے پاس چھت پر آ گئے۔اِن لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ جی ایم کرسی پر بیٹھے کسی عزیز سے موبائل پر باتیں کر رہے تھے۔باتوں کے دوران موبائل اِن کے ہاتھ سے گر پڑا اور وہ کرسی پر دراز ہو گئے۔بے ہوشی کے عالم میں انہیں بے نظیر ہسپتال پہنچایا گیا۔جہاں ڈاکٹروں نے انہیں بچانے کی ساری تدبیریں استعمال کیں لیکن کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہو سکی۔جی ایم کی روح قفسِ عنصری پرواز کر کے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔اِن اللہ و اِن الیہ راجعون o

چل دیا اُٹھ کے اچانک ۔ خبر نہیں کہا ں گیا وہ
ابھی تو بہت سفر تھا باقی۔ بنا بتائے کہاں گیا وہ
قضاء کے ہاتھوں نے کیا کیا ہے۔ کہ چمن سارا ویران ہوا ہے
جو گل چمن کے روبرو تھا۔ وہ بکھرا کیسے کہاں گیا وہ
خدا اپنی نعمتوں میں رکھے۔ نور برسے سدا لحد پر
وہ مہماں خلدِ بریں ہے۔ کوئی نہ پوچھے کہاں گیا وہ

GM صاحب نے اپنے پیچھے ایک سوگوار بیوہ چار بیٹیاں اور ایک ننھا سعد چھوڑا ہے۔خدا اِس سوگوار خاندان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین اور غلام محمد صاحب (مرحوم) کو بلند مراتب عطا فرمائے۔ آمین!

دِل ، اھلِ دل ، احوالِ دل

سید خالد محمود بخاری

دل جسم کے سب سے زیادہ مضبوط پٹھوں کا مجموعہ اور انسان کے جسم کا صدر مقام ہے۔ پورے اعضاء کا کنٹرول دل کے ذریعے ہوتا ہے اس کی جگہ انسان کے سینے میں بائیں پسلی سے دو انگلیاں نیچے مائل بہ پہلو صنوبری رنگ کا لوتھڑا ہے۔ دل کا حجم ایک مٹھی سے بڑا ہوتا ہے اور وزن تقریباً ڈھائی سو گرام ہے۔ دل ہر طرف سے بند ہے اور اس کا باہر سے کوئی تعلق نہیں سوائے ان رگوں کے جو دل کے داہنے اور بائیں حصوں سے نکلتی اور داخل ہوتی ہیں دل کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک سکڑنے کی اور دوسری ڈھیلا پڑنے کی۔ دل سکڑتا ہے تو خون دل سے خارج ہوتا ہے اور یہ حالت دل کے کام کی ہے۔ جب دل ڈھیلا پڑتا ہے تو خون دل میں داخل ہوتا ہے اور یہ حالت دل کے آرام کی ہے۔ دل کو قلب بھی کہتے ہیں قلب کا نام اسی بناء پر رکھا گیا ہے کہ یہ ہر آن ادل بدل ہوتا رہتا ہے۔ **دل** کو اللہ پاک نے جذبوں کا مقام بنایا ہے مثلاً نفرت کا جذبہ، انتقام کا جذبہ، محبت کا جذبہ وغیرہ۔ جذبات کی یہ لہریں انسان کے دل سے ہی اٹھتی ہیں اور غم کا سرچشمہ بھی **دل** ہے۔

دل کا روحانی پہلو: ہر شے کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے۔ ظاہر جسے جسم کہتے ہیں اور دوسرا باطن جسے روح یا دل کہتے ہیں۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں اسی طرح ایک باطنی اعمال اور ایک ظاہری اعمال ہوتے ہیں۔ اعمال کی ظاہری شکلیں باطنی کیفیت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ انسان کا کوئی بھی عمل ہو چاہے اس کا تعلق ظاہر سے ہے یا باطن سے ان تمام قسم کے اعمال میں بنیادی حیثیت "دل" کو حاصل ہے کیونکہ تمام اعمال کی تحریک اور ترغیب دل دیتا ہے دل جسم کا حاکم ہے اسکا جسم پر اختیار ہے۔ دل کی کوکھ سے ہی تمام افعال جنم لیتے ہیں دل کی اصلاح پورے جسم کی اصلاح ہے دل کے بگڑنے سے انسان کے اعمال بگڑتے ہیں۔ ہمارے بدن کے اعضاء اس کی کیفیت کے تحت کام کرتے ہیں۔ آدمی کی فضیلت بھی اس گوہر کی وجہ سے ہے جسے **دل** کہتے ہیں۔ دل کی پیدائش کا اصل مقصد روحانیت ہے دل اور روح ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں اللہ تعالیٰ کی نظر التفات کا محل اور توجہ کا مرکز بندے کا دل ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے پیغام اور کلام کا مخاطب ہمیشہ دل کو بنایا ہے تقویٰ و پرہیزگاری کا مقام بھی یہی دل ہے۔ دنیا میں ہر فعل اور عمل کا خالق بھی دل ہے اس لئے مشائخ کی محنت کا میدان دل ہوتا ہے اگر دل بن گیا

درست ہوگیا تو انسان خود بخود بن جائے گا۔ تمام تر جسمانی حرکات اس دل ہی کے مرہونِ منت ہیں۔ اس دل پر اگر محنت نہ کی جائے تو یہ دل پھر دل نہیں رہتا بلکہ پتھر کی سل بن جاتا ہے اور مسلسل غفلت اور لاپرواہی برتنے سے دل گناہوں کی غلاظت اور گندگی سے بھر جاتا ہے اور غفلت برتتے برتتے انسان ایسے موڑ پر آجاتا ہے کہ آنکھ سے بدنظری ہوئی دل کو کوئی پشیمانی نہ ہوئی غرض گناہ کرتے کرتے دل پر کیا گذری کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ دل کی لغزش کا ادنیٰ درجہ قساوت اور غیر اللہ کی طرف میلان ہے اور اس کی لغزش کا آخری درجہ یہ ہے کہ اس پر کفر کی مُہر لگ جاتی ہے۔ اگر دل گناہوں سے زنگ آلود ہے، اللہ کی نافرمانیوں میں اترا ہوا ہے تو وہ نیکی اور بدی میں پہچان نہیں کرسکتا۔ دل کی محنت پر سارے اعضاء بدن کی دُرستگی اور اصلاح کا دارومدار ہے اس لئے مشائخ پورے جسم کو چھیڑنے کی بجائے دل پر محنت کرتے ہیں بدنظری نہیں روکتے بلکہ دل سے شہوت ختم کرنے کا بندوبست کرتے ہیں مال کی طرف جانے کی بجائے مال کی محبت نکالنے کی فکر کرتے ہیں۔ جب دل سخت ہوجائے تو گناہ کا احساس بھی دل سے مٹ جاتا ہے۔

دل ایک نورانی قندیل اور مومن کا عرشِ الٰہی ہے دل کی قندیل کے اندر اللہ کے نور کا چراغ یا زندگی کا شعلہ فروزاں ہوتا ہے جسے ہم روح کہتے ہیں اس کا تعلق ایک شعاع یا روحانی تار کے ذریعے عالم امر کے ساتھ ہر وقت قائم رہتا ہے یہی انسان کی شخصیت کا محور اور خودی کا مرکز ہے جو دل میں سما جاتا ہے لیکن اس کی وسعتوں کے سامنے ارض وسماء کی پنہائیاں ہیچ ہیں۔ روح جسم لطیف ہے جو تمام بدن میں نفوذ کئے ہوئے ہے اور تمام بدن میں جاری وساری ہے اور اسی سے جسمِ انسانی کی حیات ہے روح جسمِ غیر عنصری ہے بدن کی تیاری کے بعد روح پیدا کی جاتی ہے۔ دل کو عرشِ الٰہی سے خاص نسبت ہے اسے پیدا ہی اللہ کے پیار اور دیدار کے لئے کیا گیا ہے۔ روحانی اعتبار سے دل ایک ریسیور (Reciever) بھی ہے اور ٹرانسمیٹر بھی پیغام وصول بھی کرتا ہے اور آگے بھی بھیجتا ہے۔ دل اور دماغ کا باہم گہرا تعلق ہے اس لئے سوچ اور فکر کے اثرات بھی دل پر براہِ راست پڑتے ہیں۔

قلب مومن ہی ذاتِ باری کے انوار وتجلیات کا مرکز ہے۔ دل یادوں کا مقام بھی ہے جیسے کوئی کہتا ہے کہ آج میرا دل آپ کو بہت یاد کر رہا تھا اسی طرح اللہ کی یاد بھی دل میں ہوتی ہے جب یہ رچ بس جائے تو سالک کا دل ہر وقت، ہر لمحہ اللہ کی یاد میں ڈوبا رہتا ہے بظاہر کام میں مصروف نظر آتا ہے لیکن اس کا باطنی تعلق اللہ سے جڑا ہوتا ہے" وہ اللہ کی یاد کرنے والے ہیں کہ

خرید وفروخت بھی انہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی (النور۔37)

تصفیہ قلب: دل کی صفائی اور اس کو چمکانے کا عمل تصفیہ قلب کہلاتا ہے ۔ اہلِ ایمان اللہ پاک سے شدید محبت کرتے ہیں اور ذکر کی کثرت کی وجہ سے دل زندہ ہوجاتا ہے اور اس میں نہایت طاقتور اور تیز رفتار روحانی لہریں پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہیں ۔جسے صفائی قلب اور دل کی پاکیزگی حاصل ہوجائے اُسے دیدارِ الٰہی کی کیفیت نصیب ہوتی ہے ۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ پاک مومن کے قلب کو دن میں ستر مرتبہ نظرِ رحمت سے دیکھتے ہیں کیوں کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے ۔ جو دل جتنا زیادہ سفلی خواہشات سے پاک و مبرّا ہواُتنا ہی شیطان کی دسترس سے محفوظ رہتا ہے جو دل خواہشات سے بالکل خالی ہو اور اپنے مالک کی رضا پر اس حد تک قانع اور شاکر ہوتا ہے کہ اپنی ذات یا اس کے طبعی تقاضوں کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتا ایسے دل میں شیطان اور اس کے لشکر اور وساوس کا بالکل دخل نہیں ہوتا وہ اس کے قریب ہی نہیں بھٹکتے اور اس پر شیطان کو بالکل قابو نہیں رہتا ۔اگر سالک خواہشات کو دبانے اور مٹانے میں کامیاب ہوجائے تو شیطانی لشکر مغلوب ہوجاتا ہے اور روحانی لشکر قریب آکر ٹھکانہ بنالیتا ہے ورنہ شیطان اس پر غالب آجاتا ہے اور اس کے دل کو اپنا اڈہ بنالیتا ہے غرض دل میں روحانی اور شیطانی قوتوں کی یہ جنگ ہمیشہ رہتی ہے گویا مقامِ آدمیت ہوا و ہوس و نفس کے تقاضوں سے بچاؤ اور خبیث خواہشوں کی دسترس سے نجات پر موقوف ہے جو دل جتنا زیادہ ان خواہشات و شہوات سے پاک ہوتا ہے اتنا ہی حق سے قریب اور صالح و عظیم ہوتا ہے ۔خواہشات کی بدولت شیطان کو دل میں داخل ہونے اور اس میں وسوسہ اندازی کرنے کا موقع ملتا ہے اور ان خواہشات کی وجہ سے شیطان کو انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرنے کی قدرت حاصل ہوتی ہے لہذا دلوں میں شہوات کے بُت نہ سجائے جائیں آرزوؤں کا صنم خانہ نہ بنایا جائے ۔دلوں کو زندگی اللہ والوں کی صحبت سے ملتی ہے اور پھر اللہ کی محبت کو بڑھانے کے لئے انہیں نمازوں اور کثرت ذکر کی غذا دینا پڑتی ہے ۔دلوں کو زندہ و بیدار کئے بغیر انسان سازی اور آدم گری کا کام ہرگز نہیں ہوسکتا۔

دل کا دھڑکنا اور چیز ہے اور دل کا جاری ہونا اور چیز ہے جب دل جاری ہوجاتا ہے تو سینے میں ایک قسم کا ارتعاش محسوس ہوتا ہے پھر ذکر کا ادراک نصیب ہوجاتا ہے ۔ایک صوفی کا دل ساری دنیا سے الگ تھلگ رہتا ہے مخلوقات اور خود نفس کو بھی چھوڑ دیتا ہے اللہ کے سوا کسی طرف مائل نہیں ہوتا وہ صرف اللہ کی باتوں کو سنتا ہے اور اسکی حضوری میں رہتا ہے ۔جس قدر قلب نورانی ہوتا ہے اسی قدر کلام بھی نورانی ہوتا ہے مگر قلب اسی وقت نورانی ہوسکتا ہے جب اس میں

استقامت پائی جائے اور وہ حق بندگی کے فرائض اچھی طرح ادا کرے۔

خاطر: قلب پر جو وارد ہوتا ہے اسکو خاطر کہتے ہیں اس کی چار قسمیں ہیں: خاطر حق۔ الہام۔ ہاجس۔ وسواس دل اپنے حالت اور حالات کی وجہ سے تین صورتوں میں دکھائی دیتا ہے یہ دل کے درجے یا اقسام کہلاتے ہیں:

1- **قلبِ منیب** (انابت و توبہ والا دل) یہ دل اللہ پر ایمان بالغیب میں بہت پختہ ہوتا ہے اور توبہ کے ذریعے اللہ سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے گناہوں سے بچ کر زندگی گزارنے کی جدوجہد کرتا ہے اللہ کی عبادت اور اس کے قرب کے حصول میں مگن رہتا ہے۔

2- **قلبِ سلیم** (سلامتی والا دل) جو دل غیر اور ماسوئی سے نجات حاصل کر لے اور اغراض نفسانیہ اور امراض روحانیہ سے خالی ہو وہ دل قلب سلیم کہلاتا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غیر سے پاک و منزہ ہوتا ہے دنیا کی محبت و چاہت سے بے زار ہوتا ہے کیونکہ یہ بندے اور اللہ کے درمیان "عبد و معبود" کے رشتے کو پہچان کر چکا ہوتا ہے اس لئے علم کی طلب اور عرفان الٰہی کے ذوق و شوق میں مست و سرشار رہتا ہے ہر لمحہ، ہر لحظہ، ہر پل، ہر ثانیہ اللہ کی طرف متوجہ رہنا اسکی صفت ہے۔

3- **قلبِ شہید:** قلب شہید سے مراد ایسا دل جو مکمل توجہ سے سنتا ہے اور گہری نگاہ سے دیکھتا ہے یہ دل مرتبۂ شہود پر فائز ہوتا ہے اس کا دیکھنا بصارت نہیں بصیرت کہلاتا ہے اسے فراست ایمانیہ بھی کہتے ہیں۔

آسمانی قلوب:۔ پاکیزہ قلوب جن کی اصلاح جسم کی اصلاح کی بدولت ہو چکی ہے آسمانی قلوب ہیں۔ جس طرح اللہ نے آسمان کو شیاطین کی تصرفات سے محفوظ کر رکھا ہے اسی طرح آسمانی قلب بھی شیطان کی دست درازی سے محفوظ رہتا ہے البتہ نفسانی وسوسے باقی رہتے ہیں جو آسمان کی قلعہ بندی کے باوجود منقطع نہیں ہوتے اس وقت شیطانی تصرف منقطع ہو جاتا ہے مگر مقربین بارگاہ کے قلوب بتدریج مقامات قرب کی طرف بڑھتے رہتے ہیں اور وہ آسمانوں کے مختلف طبقات پر چڑھتے رہتے ہیں۔ نفس کی کچھ نہ کچھ تاریکی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں جب عرش کے نزدیک پہنچتے ہیں تو عرش کی تیز روشنی کے سامنے تمام نفسانی وساوس بالکل فنا ہو جاتے ہیں یعنی نفس کی تاریکیاں نور قلب میں اس طرح غائب ہو جاتی ہیں جس طرح رات دن میں غائب ہو جاتی ہے۔

اِتحادِ اُمت

(محمد نذیر توحیدی)

مسلمانوں سے قرآن پاک کی بے رغبتی کی وجہ

(۱) ہم دنیاوی لحاظ سے اپنے بچے کا مستقبل بنانے کیلئے بنیادی لحاظ سے ہی ایک اچھے سکول کا اِنتخاب کرتے ہیں لیکن دینی لحاظ سے بچے کی آخرت کو نظر انداز کر کے اپنے گھر میں ہی بچے کو پڑھانے کیلئے اپنے محلے کے مولوی کو ہی لالچ دیکر گھر پڑھانے کیلئے بلواتے ہیں۔

(۲) دنیاوی تعلیم کیلئے گھر سے دور 8 گھنٹے کیلئے بھیج دیتے ہیں لیکن دینی تعلیم کیلئے گھر میں آدھا گھنٹہ یا حد سے زیادہ پونا گھنٹہ۔

سوچنے کی بات:۔ اب یہ نسل جوان ہو کر قرآنِ پاک سے بے رغبتی اور لاپرواہی نہیں کرے گی تو کیا کرے گی؟

(۳):۔عوام کے دلوں میں قرآنِ پاک کا ادب واحترام تو موجود ہے لیکن اِسکو سیکھنے اور سکھلانے کا جذبہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی رغبت ہے کیونکہ ہمارے دِلوں میں خوفِ خدا کا عنصر بالکل نہیں ہے۔جسکی وجہ سے ہم تقوٰی کی حقیقت سے غافل ہیں اور یہ غفلت ہی ہماری لاپرواہی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔چشم دید واقعات تو ہم ہر روز سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں لیکن اِن سے ہم سبق حاصل نہیں کرتے۔اِنا اکرامکم عنداللّٰہ اتقی کم۔بے شک اللہ کے نزدیک عزت اِس کی ہے جو اُس سے ڈرتا ہے۔بدقسمتی:۔(آج کل عام طور پر مسجد کا امام اُس شخص کو بنایا جاتا ہے جو دنیا میں اور کسی کام کا نہیں ہوتا اور 200,100 روپے کے بدلے میں اِس کام کو بطور پیشے کے کرتا ہے)دُنیاوی تعلیم کیلئے بچوں کو پڑھانے کیلئے اساتذہ کی ڈگریاں اور سرٹیفکیٹ دیکھے جاتے ہیں لیکن اِنسان نے جہاں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہنا ہے۔اُس کا راستہ یعنی جو مسجد ہے اُس کیلئے کسی بھی ڈگری یا سرٹیفکیٹ کی ضرورت کو محسوس ہی نہیں کرتا ہے یہ بھی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔موجودہ نسل کے دل ودماغ میں جو قرآنِ پاک کا مقام ہے وہ کچھ یوں ہے۔(۱)تعویز بنا کر رکھیں (۲) بحث ومباحثہ کیلئے مطالعہ کیا جائے (۳) کسی کو نیچا دکھانے کیلئے مطالعہ کیا جائے۔اِن کے علاوہ اور بے شمار لوگوں نے عقائد بنائے ہوئے ہیں)(حالانکہ ہونا تو یہ

چاہیے تھا کہ ہماری مساجد میں اِن لوگوں کو امام بنانا چاہیے تھا جو علم اور تقویٰ کے لحاظ سے بہتر ہوتے اور اُنکا معاشرے میں بہتر مقام ہوتا۔ جن کی بات لوگوں کی نظر میں کوئی وزن رکھتی۔ مساجد، مکاتب اور مدارس تو ہمارے ملک میں بہت ہیں۔لیکن شریعت کی حقیقی روح سے خالی ہیں۔

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے مساجد بظاہر آباد ہونگی لیکن نورِ ہدایت سے خالی ہونگی۔

(۴) سننے اور دیکھنے میں یہ چیز سامنے آئے ہے کہ عام علمائے دین کا اِس بات پر زور ہوتا ہے۔کہ اُنکی گفتگو سننے والے سب لوگ انکے خیالات سے متفق ہو جائیں۔بہت کم لوگ (علما) عوام کی قرآنِ پاک کے پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت کو اُبھارتے ہوں بہت ہی کم ہے حالانکہ یہ کام انگریزی کے مقابلے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے جسکی وجہ سے موجودہ ہماری نسل یعنی نیو جنریشن میں اِسکا مطلق شوق ہی نہیں ہے۔ حالانکہ دین کا عمل قرآنِ پاک کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتا اور نہ ہی سمجھ میں آتا ہے۔

موجودہ حالات میں پاکستان کی بدقسمتی:۔الیکٹرک میڈیا، پرنٹ میڈیا کو اتنی آزادی دے دی ہے جیسا کہ ایک کمرہ امتحان میں طالب علموں کو اجازت دے دی جائے کہ جو چاہو کرو آپکو مکمل آزادی ہے تو وہاں پر جو کچھ ہوتا ہے وہ سب کو علم ہے تو بعد میں جب بورڈ کو علم ہو جاتا ہے تو رزلٹ میں سب روتے ہیں کہ ہمارا سارا ضائع چلا گیا۔ایک خدا، ایک رسول اور ایک کتاب کو چھوڑ کر۔اپنی اپنی مرضی کے عقائد اپنا کر ہم کامیابی کی منزل تلاش کر رہے ہیں یہ بدقسمتی نہیں ہے تو کیا ہے۔میرے بھائیو! یہ دنیا کمرہ امتحان ہے اِس کمرے میں جو بھی اللہ کے قرآن کو چھوڑ کر اپنے عقلی دلائل پر عقائد کے مطابق عمل کرتا ہے اُسکا انجام خطرناک ہے کیونکہ دنیا کے تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔اب اِس نیت کے مطابق ہر ملک اپنا اپنا پرچار کر رہا ہے اور جو حالات بنتے جا رہے ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔اِس بے رغبتی کی وجہ سے میرے پیرو مرشد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے 1974ء میں اپنی کتاب تعمیر ملت میں مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے۔کہ اے پاکستانی مسلمانو! اچھی طرح ذہن نشین کر لو یہ بات تمام دنیا کیلئے ایک نیا تجربہ ہے اور تمام اسلامی وغیر اسلامی ممالک کی آنکھیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں اور وہ سب تمہارے اِس دعوے کی صداقت کو دیکھنا چاہتے ہیں۔اگر تم سچے ہوئے تو معلوم ہے کیا ہوگا۔اِمکان نہیں بلکہ یقین

کائل ہے کہ دنیا کے تمام ممالک کی بھاری اکثریت صداقتِ قرآن کی قائل اور تعلیم قرآن کی عامل ہو جائے گی لیکن اگر نا کامیاب رہے تو ساری دنیا میں تمہارا۔تمہارا نہیں خدا اور رسول ﷺ کا مذاق اُڑایا جائے گا اور اِسکی سزا میں تم اِس دنیا میں بھی ذلیل و رسوا ہو گے اور آخرت میں سخت عذاب کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔ (تعمیر ملت صفحہ نمبر 5)

علماء دین کی لاپرواہی۔ واعتصمو بحبل اللّٰہ جمعیا ولا تفرقوا پس پشت ڈال کر انہوں نے عوام کو اپنے اپنے مسلک کی دعوت دی ہے جس کا ثبوت پاکستان کی عوام ہے۔یعنی اپنی اپنی مرضی کی آیات کو یاد کر کے اپنے اپنے مسلک کیلئے قائل کیا جاتا ہے۔لیکن کوئی بھی اللہ کی واحدانیت کی محبت اُجاگر کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔اندھی محبت کی تقلید اور اندھی محبت کا پرچار تو بہت ہے لیکن اللہ کے قرآن سے محبت اور عمل کی تعلیم آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ جس کے نتیجے میں آج ہمارے اِس ملک میں بدعات اور غیر شرعی رسوم کا سیلاب ہے اِس لاپرواہی کو دور کرنے کیلئے میرے پیر و مرشد ہادی خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے جو علاج تجویز کیا ہے وہ نسخہ آپکی خدمت میں حاضر ہے۔(۱) ہر شخص جو اپنی قوم کی اصلاح کرنا چاہتا ہے پہلے خود اپنی اصلاح کرے (۲) اِسکے بعد اپنے اہل وعیال قریبی رشتہ داروں اور اِن دوستوں کی جو زیر اثر ہوں (۳) اِس طرح کچھ عرصہ بعد ایک تعلیم یافتہ افراد کی ایک جماعت وجود میں آ جائے گی۔پھر یہ جماعت اجتماعی طور پر اِس کام کو لیکر آگے چلے گی۔یہ علاج تعمیر ملت کے آخری صفحات پر درج ہے اور آخر پر حسرت بھرے الفاظ میں یہ الفاظ تحریر ہیں کہ کاش کچھ اہل دل اور صاحب دماغ حضرات ہماری اِس تجویز کے فوائد اور اسرار و غوامض کو اچھی طرح سمجھ کر آگے بڑھیں اور ملت اسلامیہ کی بقا کیلئے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیکر بسم اللہ کریں"۔اللہ ہمیں عمل کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

بدقسمتی کی سب سے بڑی وجہ:۔ ہمارے ملک میں قانون سازہی قانون شکن ہیں۔ اِس کا ثبوت پاکستانی حالات ہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کیلئے۔ایک بانی جس کا رہبر اللہ کا قرآن ہو اور اُسکی سیرت آقا نامدار ﷺ کا فرمان ہو اُس کا اصول شہد کی مکھی کی طرح ہو،اِس کی تفصیل معارف القرآن کا مطالعہ کریں۔دنیاوی مثال ایک گاڑی کو سامنے رکھیں۔گاڑی کے چلنے کا ایک اصول کہ گاڑی کا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ کام کرتا ہے۔تب گاڑی منزل مقصود پر پہنچتی ہے۔ کیونکہ گاڑی کے اندر ہر چیز سختی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ کسی ہوئی ہے۔جسکی وجہ سے

گاڑی والا اپنے منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔گاڑی کا ہر پرزہ اپنی جگہ صحیح کام کرتا ہے تو گاڑی صحیح چلتی ہے۔اُس کا کوئی پرزہ بھی بغاوت نہیں کرتا اگر خراب ہو تو نکال دیا جاتا ہے اور اُسکی جگہ نیا فٹ کر دیا جاتا ہے۔اعتراض۔اِس مثال کو پڑھ کر کئی میرے بھائی اعتراض کریں گے کہ ایک اللہ کی طرف دعوت دینے کیلئے معاشرے کو سامنے رکھ کر گاڑی کی مثال کا کیا منطق ہے۔بھائیو! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں بہت سی مثالیں دیکر انسان کو سیدھے راستے پر چلنے کیلئے ہدایت کی ہے اور ہر آیت کے آخر پر یہ الفاظ ملتے ہیں۔**بل اکثر فھم لا یعقلون**۔البتہ اِن میں اکثر عقل نہیں رکھتے۔گاڑی کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے ملکی صدر، وزیر اعظم رہبر اور نائب رہبر ہیں۔تمام ادارے گاڑی کے تمام پرزہ جات ہیں۔گاڑی کے پرزے بغاوت نہیں کرتے تو گاڑی چلتی ہے۔ملکی اداروں کو چلانے والے ہی اگر بغاوت کریں گے تو ملکی گاڑی کیسے چلے گی گاڑی کا مالک خراب حصہ نکال کر فٹ کرتا ہے ہماری عوام خراب حصے ہی کو دوبارہ فٹ کرتی ہے۔بغاوت والا پرزہ دوبارہ بغاوت نہیں کرے گا تو کیا کرے گا؟

علمی طبقے کی ذمہ داری فرقہ بازی سے بالاتر ہو کر اللہ کی رضا کے واسطے اِس نظریے کو سامنے رکھ کر پروگرام اور موضوع ترتیب دیں کہ سکول ہو، مسجد ہو، اجتماع ہو، جمع کی تقریر ہو یا کہیں بھی گفتگو کا موقع مل جائے تو لوگوں کو اللہ کے قرآن سے جوڑا جائے۔اختلافی گفتگو کرنے یا سننے کی بجائے اللہ کے قرآن کی طرف دعوت دی جائے۔اِس بات کو غور کے ساتھ سوال کرنے والے کو ذہن نشین کرائیں کہ یہ اللہ کا قرآن **ھدا للناس** ضرور ہے لیکن یہ **ھدا للمتقین** ہے۔عقل مند کیلئے ایک لفظ بھی کافی ہے۔حجت بازوں کیلئے گدھے پر لادی ہوئی کتابیں بھی ناکافی ہیں۔

انگریزی میں سروس کا ملا ہوا لیٹر جب تک گھر والوں کو مکمل سمجھ نہیں آتا اُس وقت تک گھر والے آرام سے نہیں بیٹھتے لیکن اللہ کی طرف سے ملے ہوئے خط سے ہم اِس قدر غافل ہیں کہ اِسکو سمجھنے کیلئے ایک بھی خالص اُستاد نہیں ملتا جبکہ فرقہ واریت اور فروعی اختلافات والے ملاوٹ شدہ دین کی اشاعت کیلئے ہر گلی میں مدرسے کھلے ہوئے ہیں۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

اللہ اِس پر مزید جستجو اور ہمت عطا فرمائے۔آمین

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

تعمیر ملت

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

چراغ راہ
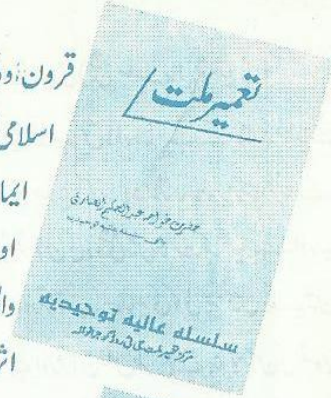
کتاب ہٰذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے انہیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

طریقتِ توحیدیہ

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

حقیقت وحدت الوجود

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Reg: SR - 01
Website: www.toheedia.net